اچھی اچھی کتابیں

کتاب	مصنف	قیمت
لیلیٰ تیری گلی میں	مینا ناز	23/=
راز داں	فردوس حیدر	25/=
خدا کہاں ہے	اسلم راہی	20/=
گھرانہ	انیس مرزا	22/=
مینا	رفیعہ بٹ	24/=
گونگی لڑکی	عادل رشید	14/=
فردوس خیال	منشی پریم چند	20/=
بازار حسن	" "	25/=
دیہات کے افسانے	"	16/=
آخری تحفہ (طلبا ایڈیشن)	"	10/=
آخری تحفہ (لائبریری ایڈیشن)		15/=
سوز دروں	سعادت نسرین	25/=
تعبیر	ثریا ملک	20/=
مظلوم	جی ایس عالم	16/=
خواب سلونے	فرزانہ یاسمین	22/=
دنیا	یاسمین صوفی	21/=
رانگ نمبر	انجم ممتاز	18/=
ادیب	مترجم شانتی نرائن	20/=
مہکتے زخم	جمیل انجم	14/=
خون کا رشتہ	اشونی والیہ	12/=
بدنام	مینا ناز	13/=
الجھن	ظفر عدیم	13/=
یادوں کے سائے	عارف مارہروی	24/=
تاریکیاں	" "	20/=
پنکھڑیاں	" "	18/=
معصوم گناہ	مظہر ہاشمی	12/=
کورا آنچل	ضیاء عظیم آبادی	12/=
انگڑائی	" "	15/=
گرداب	" "	10/=
گیلارڈ	گلشن مرزا	18/=
ایک ہی ڈگر	زلیخا حسین	16/=
دشوار ہے جینا	" "	16/=
نصیب نصیب کی بات	"	20/=
حسرت ساحل	" "	10/=
آسمان کے تلے	" "	18/=
رشتہ کا روگ	" "	12/=
اپنے اور پرائے	" "	10/=
دیہاتی سماج	شرت چندر	8/=

پرنس بک ڈپو [illegible] لبرٹی سینما قرول باغ نئی دہلی ۱۱۰۰۰۵

ایک اصلاحی اور رومانی ناول

انیس مرزا

GHARANA
BY
ANIS MIRZA
PRICE.... Rs 22/=

انیس مرزا

اس ناول کے تمام کردار اور واقعات فرضی ہیں
کسی قسم کی مطابقت محض اتفاقیہ ہوگی۔

بار اول .... اگست 1984
قیمت .... بائیس روپے
کتابت .... محمد اکرام کٹھیاری
طباعت .... جمال پریس دھلی

ناشر

پونس بک ڈپو

۴۷/۳ سی نیو روہتک روڈ، نزد، لبرٹی سینما، قرولباغ
نئی دھلی۔ ۱۱۰۰۰۵

حویلی کے پھاٹک پر ایک تانگہ آکر رک گیا۔

غلام گردش میں پرانی ملازمہ جھاڑو دیتے دیتے چونک گئی اور گردن گھما کر اُس نے پھاٹک کی جانب اپنی نظریں دوڑائیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ سفید اور کالے برقعوں میں دو تین عورتیں تانگے میں سے اتر رہی ہیں تانگے کے چاروں طرف پردہ بندھا ہوا تھا۔؟

یہ دیکھتے ہی گلشن کے اوسان جاتے رہے اور وہ جھاڑو پھینک پھاٹک تیزی سے حویلی کے صدر دروازے کی سمت بھاگی۔ دروازہ پار کر وہ جونہی ڈیوڑھی میں پہنچی اُس کی ٹکر اوپر کا کاج کرنے والے بشیر سے ہوتے ہوتے رہ گئی۔

"ذرا دیکھ کے گلشن رانی! بڑھاپے میں اب یہ چونچلے اچھے نہیں

لگتے ہیں۔" بشیر نے اپنی کھچڑی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ٹھنڈی سانس لی "جوانی میں ٹکر ہوتی تو کچھ اور بات ہوتی ــــ"

"تمہارا منہ کالا ــــ" گلشن نے ہاتھ جھٹک کر کہا۔ "اپنے حواس میں رہو بڑے میاں! اے لو آئے کہیں سے اول فول بکنے والے ــــ"

"ہائے! کیا نخرے ہیں۔ انہی نخروں پر تو ہمارا دم نکلتا ہے ــــ"

"بھاڑ میں جائے تمہارا دم اور جو لیے ہیں جاؤ تم ــــ"

"لیکن بات کیا ہے جو تم مہارانیوں کی طرح اکڑ رہی ہو۔" بشیر نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کیا کوئی مجھ سے بھی زیادہ چھیلا مل گیا ہے ــــ؟"

"اپنے منہ کو لگام دو بشیر میاں! کہے دیتی ہوں میں بیگم صاحبہ سے کہہ کر جوتے لگواؤں گی، جب ہی تم سیدھے راستے پر آؤ گے ــــ الگ ہٹو، باہر دیکھو مہمان آئے ہیں۔ اللہ! مجھے خبر دینے میں کتنی دیر ہو گئی ــــ"

"مہمان! کون سے مہمان ــــ؟"

لیکن گلشن نے جواب دیئے بنا دھکا دیا اور بھاگتی ہوئی اندر آنگن میں پہنچ گئی۔ سامنے بارہ دری والا دالان تھا جہاں ایک گوشے میں تخت پر ایک خوبصورت جانماز پر ایک حسین اور باوقار عورت تسبیح پڑھ رہی تھی۔

"بیگم صاحبہ! بیگم صاحبہ! تانگے میں مہمان آئے ہیں ــــ"

"کون! ــــ" تخت پر بیٹھی ہوئی عورت نے چونک کر پوچھا۔

"یہ میں نہیں جانتی ..... دو تین عورتیں ہیں برقع میں، ایک چھوٹا لڑکا بھی ساتھ میں ہے"

"کون ہو سکتے ہیں یہ لوگ ——" بوڑھی عورت نے سوالیہ لہجے میں جواب دیا۔ "جاؤ لڑکیوں سے کہو کمرے میں چھپ جائیں ——"

"بہت اچھا بیگم صاحبہ! ——" گلشن نے کہا اور دالان در دالان والے کمرے کی طرف بھاگی جسکی محرابوں پر خوبصورت رنگوں والے دلکش پھولوں کی بیلیں لپٹی ہوئی ہوا میں ہولے ہولے لہرا رہی تھیں۔

وہیں ان گنت کمروں میں سے ایک کمرے میں وہ چاروں لڑکیاں ایک اجلی چاندنی پر بیٹھی رنگین فلمی میگزین دیکھ رہی تھیں جو اپنے بھائی وقار کے کمرے سے اڑا لائی تھیں، چاروں سر جوڑے دھیان لگائے فلمی ایکٹریسوں کی تصویریں دیکھنے میں کھوئی ہوئی تھیں جب گلشن نے دروازے پر پہنچ کر ہانپتے ہوئے ہانک لگائی۔

"لڑکیو! دیبا، ثریا، ہما اور حنا رانی! بیگم صاحبہ کا حکم ہے کمرے سے کوئی باہر نہ نکلے ——؟"

"کیوں گلشن بوا۔ خیر تو ہے —— ؟"

"گھر میں اجنبی مہمان عورتیں آئی ہیں ——" گلشن نے لاپروائی سے اُن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

چاروں بہنوں کے لئے بس "اجنبی عورتیں" کا اشارہ کافی تھا، اس کا مطلب تھا آنے والے لوگ لڑکیوں کا رشتہ وغیرہ لے کر

آئے ہیں، یا اسی مقصد سے لڑکیوں کو دیکھنے کیلئے آئی ہیں ــــ؟

اس خیال کے آتے ہی چاروں بہنوں کے چہرے کانوں تک سُرخ اور گلابی ہو گئے۔ انہوں نے جھجکتے ہوئے جھکی جھکی نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور شرما کر رہ گئیں، اُن کے سینوں کے اندر نازک نازک دل دیر تک دھڑکتے رہے، دھڑک دھڑک کر اُن کے کنوارے جسموں کو ہولے ہولے لرزاتے رہے ــ خیالوں میں اُڑاتے رہے ــــ؟

چند لمحوں تک کمرے میں ایک پُراسرار سناٹا چھایا رہا، ایک ایسی خاموشی کہ کانوں میں دل کی دھڑکنوں کی آہٹ کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

پھر اچانک اس خاموشی کو سب سے چھوٹی بہن حنا نے توڑتے ہوئے کہا ــ "میں دیکھتی ہوں جاکر کون عورتیں ہیں ــــ؟"

"تم ــــ؟" بڑی بہن دیبا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں! میں ــ" حنا نے بہت ہی اعتماد کے ساتھ جواب دیا۔

زیبا، ہما اور دیبا وہ تینوں اُسے حیرت سے گھورنے لگیں۔ لیکن حنا نہایت لاپرواہی کے ساتھ بیٹھی پلکیں جھپکا رہی تھی۔

"لیکن امی تمہیں کھا جائیں گی ــــ"

"تم فکر مت کرو ــ" حنا نے اُٹھتے ہوئے کہا ــ "آپ لوگوں کی طرح میں ڈرپوک اور بزدل نہیں ہوں، سب سنبھال

لوں گی۔"

"مگر حنا ......؟"

لیکن حنا نے اُن کی بات سُنی ان سُنی کرتے ہوئے دروازے کی راہ لی۔

دروازے سے باہر نکل کر حنا نے سُکھ اور چین کی سانس لی ساتھ ہی گردن گھما کر ماحول کا جائزہ لیا اور اس طرف بڑھ گئی جہاں مہمانوں کے جمع ہونے کی اُمید تھی۔

بڑے کمرے میں جو صرف کانفرنس کے لئے مخصوص تھا حنا نے امی کی آواز سُنی جو کئی ملی جُلی آوازوں میں بھی پہچانی جا رہی تھی، وہ لوگ آپس میں موسم اور مہنگائی پر اوٹ پٹانگ باتیں کر رہی تھیں۔
حنا نے مسکرا کر اپنے سر پر دوپٹے کا پلّو ڈالا اور اچانک دروازے میں داخل ہوتے ہوئے بڑی شان سے بولی "تسلیم! آداب!! ہے" ایسا کہتے ہوئے وہ ماتھے تک ہاتھ لیجا کر ادب سے جھک گئی تھی۔

"جیتی رہو بیٹی! جگ جگ جیو" تینوں مہمان عورتیں چونک کر کچھ ٹھٹھک کر اُسے گھورنے لگی تھیں۔

اور امی کا تو رنگ ہی اُڑ گیا تھا ...... وہ اپنی اس ضدی اور ہٹ دھرم چھوٹی بیٹی کو قہر آلود نظروں سے گھورنے لگی تھیں۔
حنا نے محسوس کیا مہمان عورتیں اپنی نظروں ہی نظروں سے

اسے یوں ٹٹول ٹٹول کر دیکھ رہی ہوں جیسے وہ کوئی بھیڑ بکری ہو جسے قصائی ذبح کرنے سے پہلے ٹٹولتا ہے کہ اس میں کتنا گوشت نکلے گا ۔۔۔۔؟

"یہ آپ کی بیٹی ہے ۔۔۔۔؟" ایک موٹی سی مہمان عورت نے اُس کی امی سے سوال کیا۔

"جی ۔۔۔۔۔ جی ہاں! یہ میری سب سے چھوٹی بیٹی ہے ۔۔۔" امی نے حنا کو گھورتے گھورتے چونک کر مہمان عورت کو جواب دیا تھا۔

"بیٹی کیا نام ہے تمہارا ۔۔۔۔؟"

"جی ۔۔۔۔ حنا ۔۔۔۔ حنا احمد ۔۔۔"

"احمد ۔۔۔۔۔۔۔؟"

"جی ہاں ۔۔۔۔۔ خان بہادر احمد ریاض میرے والد ہیں ۔۔۔" حنا نے وضاحت کی تھی۔

"کیا تم پڑھتی ہو ۔۔۔۔؟"

"جی ہاں یہ کالج میں پڑھتی ہے ۔۔۔" حنا کی بجائے امی نے جھٹ جواب دیا ۔۔۔۔ "میں تو لڑکیوں کے پڑھنے لکھنے کے خلاف ہوں، لیکن ان کے باپ کی وجہ سے مجبور ہو گئی، بس یہی لڑکی کالج میں پڑھتی ہے، باقی میری تینوں بچیوں نے گھر میں ہی تعلیم حاصل کی ہے ۔۔۔"

"اوہ ۔۔۔" مہمان عورتوں نے ٹھنڈی سانس لے کر ایک دوسرے

کو دیکھا تھا۔

"حنا" اچانک اس کی امی نے اونچی آواز میں اسے مخاطب کیا۔ "دیکھو تو گلشن بوا نے ناشتہ تیار کر لیا یا نہیں ــــ؟"

"جی بہت اچھا ــــ" حنا فوراً الٹے قدموں ہٹ گئی، وہ دل ہی دل میں ہنس رہی تھی امی نے اسے وہاں سے ٹہلا دیا تھا۔

باورچی خانہ میں گلشن بوا مہمانوں کے لئے جھٹ پٹ ناشتہ تیار کرنے میں لگی ہوئی تھیں

"گلشن بوا ــــ ناشتہ تیار ہو گیا ــــ؟" حنا نے وہاں پہنچتے ہی پوچھا۔

"ارے بٹیا تم باہر نکل آئیں ــــ" گلشن نے اسے دیکھ کر حیرت سے آنکھیں پھاڑی تھیں "میں نے منع جو کر دیا تھا"

"تو کیا ہوا گلشن بوا ــــ؟"

"بٹیا بیگم صاحبہ بہت ناراض ہوں گی ــــ"

"ہونے دو ــــ تم جانتی ہو، مجھے ان چیزوں سے نفرت ہے۔ بیجا پابندیوں کو میں سخت ناپسند کرتی ہوں ــــ" حنا لاپرواہی سے کہنے لگی ..."میں اپنی بڑی بہنوں کی طرح نہیں ہوں جو پردے میں بولو بنی ہوئی ہیں ــــ"

"لیکن بٹیا .... وہ لوگ رشتہ لے کر آئے ہیں ــــ"

"تو آنے دو گلشن بوا ــ تمہیں کاہے کی فکر ہے ــ" حنّا نے جواب دیا ..." لاؤ! کچھ تمہارا ہاتھ بٹا دوں ــ"

"بس تیار ہو گیا، یہ بشیر میاں تو سٹھیا گئے ہیں، ابھی تک نان خطائیاں لے کر نہیں آئے، حالانکہ میں نے کہدیا تھا کہ ذرا جلدی آنا مہمان آئے ہوئے ہیں ــ"

"آتے ہی ہوں گے ... تم نے چائے تیار کر دی ــ؟"

"سب کچھ تیار ہے، دال موٹھ، آلو کے چپس، نمکین اور میٹھے بسکٹ، اور نان خطائیاں ہو جائیں گی ــ لیکن یہ موا بڈھا جانے کہاں مر گیا جا کر ــ؟"

حنّا نے ہنستے ہوئے کہا ــ "کیا بات ہے گلشن بوا، تم تو بیچارے بشیر میاں پر ہاتھ دھو کر پیچھے پڑی رہتی ہو ــ کہیں کچھ گڑبڑ تو نہیں ہے ــ؟"

"اے بٹیا کی باتیں ــ" گلشن بوا جھینپ کر بولیں ..." میں اُس بڈھے طوطے کو منہ کیوں لگانے لگی ــ وہ تو خود کتّے کی طرح دم ہلاتا پھرتا ہے ــ"

حنّا تو جی کھول کر ہنسنے لگی تھی۔

اسی وقت ڈیوڑھی کی طرف سے آواز آئی ــ گلشن! .... گلشن نان خطائیاں لے جاؤ آ کر ــ"

"لو .... وہ آ گئے تمہارے بشیر میاں ــ" حنّا نے کہا۔

گلشن بوا اُٹھنے ہی لگی تھیں کہ حنّا نے ڈیوڑھی کی طرف جاتے ہوئے کہا "۔۔۔میں خود ہی لائے دیتی تمہیں، تم جب تک چائے دانی میں چائے انڈیل دو۔۔۔"

ڈیوڑھی میں بشیر میاں کھڑے گدھے کی طرح ہانپ رہے تھے، اپنے کاندھے پر پڑے ہوئے انگوچھے سے وہ اپنی کنپٹیوں سے بہتا ہوا پسینہ بھی پونچھتے جا رہے تھے۔

"لے آئے بشیر میاں۔۔۔"

"ہاں بٹیا! بھاگتا ہوا آ رہا ہوں۔۔۔۔" انہوں نے جلدی سے نان خطائیوں کا لفافہ حنّا کو پکڑا دیا۔

لفافہ لے کر حنّا واپس باورچی خانہ میں آئی۔ ایک پلیٹ میں نان خطائیوں کو رکھا اور پھر بولی۔۔۔ "چلو ٹرے لے کر چلو گلشن بوا۔۔۔"

گلشن بوا نے ناشتے کی ٹرے اُٹھائی اور حنّا کے پیچھے پیچھے مہمانوں کے کمرے کی جانب بڑھنے لگی۔

کمرے میں باتیں اسی طرح زور و شور سے جاری تھیں۔ آنے والی مہمان خواتین اب کچھ کھل کر گفتگو کر رہی تھیں، تھوڑی دیر پہلے کا وہ تکلّف اب اُٹھ گیا تھا جو حنّا دیکھ کر گئی تھی۔ حنّا اور اس کے پیچھے گلشن بوا ناشتہ کی ٹرے اُٹھائے اندر داخل ہوئیں تو گفتگو کا سلسلہ ایک لمحے کے لیے رک گیا۔

ناشتہ بڑے سلیقے سے گلشن بوا نے بڑی میز پر لگا دیا اور الٹے قدموں واپس لوٹ گئی، حنا نے اپنی امی کو آنکھ کا اشارہ کیا اور تب اُس کی امی نے مہمان خواتین سے کہا۔ "آئیے چائے پی لیجئے۔"

"چائے تو ہم لوگ پی کر آئے تھے۔"

"اگر ایک کپ اور ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔" یہ کہتے ہوئے حنا کی امی نے سب کو اٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

تھوڑی دیر میں مہمان خواتین میز پر آ بیٹھیں، حنا کھڑی ہو کر ہر ایک کے لئے اپنے ہاتھ سے چائے بنانے لگی۔

ناشتے کے دوران باتوں کا سلسلہ پھر چل پڑا۔

"ہاں بہن! تو میں کہہ رہی تھی۔" مہمان عورت جو حنا کی امی کی عمر کے برابر تھی کہنے لگی "کہ میرا بیٹا ایم۔ اے۔ ہے میں نے آج اُسے اس قابل بنا دیا ہے کہ وہ ایک کامیاب زندگی گزار سکے..... میری بے حد خواہش ہے کہ ہم آپ کو اسے آپ کی فرزندی میں دے دیں......؟"

"لیکن لڑکا کرتا کیا ہے۔؟"

"آجکل نوکری ملتی کہاں ہے، اس لئے مجبوراً ایک اسکول میں پڑھانے کے لئے.....؟"

"کیا اسکول ماسٹر ہے۔؟" امی نے مہمان خاتون کی بات بیچ

میں ہی اچک لی تھی۔

"جی ہاں ——!"

"اوہ ....." امی کے لہجے کے ساتھ ساتھ ان کا کھلا ہوا چہرہ بھی بجھ گیا تھا ..... اور حنا نے اُن کے چہرے پر ایک بار پھر وہی مایوسی دیکھی تھی جو ہمیشہ رشتہ لے کر آنے والیوں کے جانے کے بعد چھا جایا کرتی تھی۔

کیونکہ خان بہادر احمد ریاض خان صاحب کی صاحبزادی کسی اسکول ماسٹر سے ہرگز ہرگز بھی بیاہی نہیں جا سکتی تھی۔ اور یہ اس حویلی کا ہی نہیں بلکہ حنا کی سب سے بڑی بہن دیبا باجی کا بھی سنگین ترین مسئلہ تھا۔

سب سے بڑا المیہ تھا ——!

مہمان جب رخصت ہو گئے تو حنا اپنی بہنوں کے پاس لوٹ آئی۔

دیپا باجی، زیبا آپا اور ہما آپا تینوں کی نظریں ایک ساتھ حنا کے چہرے پر آ کر ٹک گئیں، ان آنکھوں میں اشتیاق تھا.... شدید جذبات تھے اور سہانے رنگین خوابوں کی پھواریں دل کے ذرّے ذرّے کو جگمگا رہی تھیں..... امیدوں اور آرزؤں کی شوخ کلیاں کھلنے کے لئے مچل رہی تھیں ـــ اور کنوار ے جذبوں اور دل کی دھڑکنوں کے سنگیت کو ایک پیار بھرے گیت کی تمنا تھی..... ایک آفاقی محبت کی تلاش تھی ـــ!

یکایک حنا ایک گہری سانس لے کر آرام کرسی پر گر پڑی۔

"مہمان رخصت ہو گئے ۔۔۔ ؟"

"ہاں ۔۔۔ !"

"کیا رہا..... کیا..... ؟"

"نہیں..... لڑکا ایک اسکول ماسٹر ہے ۔۔۔" حنا نے ہاتھ اُٹھا کر اُن کے خوابوں کے شیش محل پر ایک پتھر کھینچ مارا، ایک چھناکا ہوا اور شیشے کے ٹکڑوں سے تینوں بہنوں کے دل جیسے لہولہان ہو گئے ۔۔۔ ؟"

"اسکول ماسٹر ۔۔۔" چند لمحوں بعد دیبا باجی آہستہ سے بڑبڑائی تھیں۔

"ہاں ۔۔۔ !"

"اس حویلی کے پھاٹک پر..." زیبا آپا مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے دھیرے سے بولی تھیں "اس حویلی کے پھاٹک پر شاید کبھی کوئی برات نہیں آئے گی ۔۔۔ کسی شہنائی کی آواز کبھی نہیں گونجے گی۔

یکایک دیبا باجی کا چہرہ سفید پڑ گیا، انہوں نے بڑی بیچارگی سے اپنا سر جھکا لیا، ان کے نازک نازک خوبصورت تر سنے ہوئے ہونٹ جانے کیوں کپکپانے لگے تھے۔

"باجی ۔۔۔ ؟" حنا نے انہیں آواز دی۔

"ہوں ۔۔۔ ؟"

"یہ کیا..... آپ غم کر رہی ہیں......؟"

"اپنی تقدیر کا ماتم کر رہی ہوں حنا ——" زیبا باجی نے سر جھکائے جھکائے بھرائی آواز میں کہا...." جانے کس سیاہی سے لکھی گئی ہے ہماری تقدیر.... کیا تقدیریں ایسی ہوتی ہیں حنا ——؟"

"اس میں تقدیر کا کوئی دوش نہیں ہے زیبا باجی" حنا نے گہری سانس لیتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا...." تقدیروں کو مت الزام دیجئے —— یہ سب کچھ تو.... ان سب باتوں کے لئے تو ہم تو خود ہی قصوروار ہیں باجی ——؟"

"اس میں ہم لوگوں کا کیا قصور ہے حنا ——؟" زیبا آپا نے اُسے گھورا تھا۔

"قصور —— قصور یہ ہے زیبا آپا کہ ہم نے ایک غلط آس لگا رکھی ہے، بیجا امیدیں باندھ رکھی ہیں..... اپنی جھوٹی شان و شوکت اور خاندانی وقار اور موروثی تہذیب اور فرسودہ قدروں کی خاطر کچھ اونچے خواب دیکھ رکھے ہیں ——"

"تو کیا یہ غلط ہے....." زیبا آپا غصے میں بھر گئیں "ہمارا اعلیٰ خاندان، شرافت اور عزت و وقار، ہماری تہذیب اور ہماری قدریں..... کیا یہ سب جھوٹ ہے.... یہ جھوٹ ہے کہ ہم نسلی اعتبار سے عالی مرتبہ ہیں ——"

"نہیں نہ یہ سب کچھ جھوٹ ہے اور نہ غلط ——؟"

"پھر..... پھر حنا ڈارلنگ! پھر...... ؟"

حنا دھیرے سے مسکرائی، پھر کہنے لگی ــــ "میں تو یہ کہہ رہی تھی اپیا کہ اب زمانہ بدل چکا ہے، دنیا کہاں سے کہاں جا پہنچی ہے... وقت نے کروٹ بدل لی ہے ــــ لیکن نہ جانے کیوں ہم ــــ ہم آج تک اسی پرانی لکیر کو پیٹے جا رہے ہیں ــــ"

"حنا! تم...... ؟"

"میں تو صرف یہ کہنا چاہتی ہوں اپیا کہ ہمیں بھی اپنے آپ کو بدلنا چاہئے...... وہ جو ہم آسمانوں پر پرواز کر رہے ہیں نا.... تو ہمیں اب زمین پر آجانا چاہئے.... وہ دن ہوا ہو گئے ہیں اپیا کہ جب پسینہ گلاب ہوا کرتا تھا ــــ"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو حنا ــــ ؟"

"اپیا، آپ اس منہ پھٹ کے کیوں منہ لگ رہی ہیں ــــ"

ہما آپا نے زیبا سے کہا اور حنا کو غصیلی نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"میں حقیقت بیانی سے کام لیتی ہوں نا اسی وجہ سے سب کو منہ پھٹ اور بری لگتی ہوں، اگر اپیا آپ سچ کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھتی ہیں تو کچھ عرض کروں ــــ"

"کہو ــــ تم کیا سوچتی ہو، ذرا میں بھی تو سنوں ــــ ؟"

"دیکھئے.... میرا تو بس یہی کہنا ہے کہ کب تک ہم اپنی تہذیب، روائتی قدروں کو لئے بیٹھے رہیں گے..... کب تک نسلی برتری اور اعلیٰ

خاندان کا ڈھول پیٹتے رہیں گے ...... اپنی اس حویلی کی شان و شوکت اور مرتبہ کے مطابق اونچے اور جھوٹے خواب دیکھتے رہیں گے کہ ہماری ٹکر اور ہمارے مرتبہ کے برابر ہی شادی کا پیغام آنا چاہئے۔"

"کیا ایسے خواب تم نہیں دیکھتی ہو حنا ——؟"

"بے شک دیکھتی ہوں ...." حنا جلدی سے بولی۔ "ہماری طرح سب لڑکیاں ایسے ہی خواب دیکھا کرتی ہیں ——"

"تو پھر تم ہمیں کیوں الزام دے رہی ہو ——"

حنا نے گہری سانس لی اور جواب دیا ——"اپیا! ہمیں اس پر اعتراض نہیں ہے کہ ایسے خواب کیوں دیکھے جاتے ہیں، اعتراض تو صرف یہ ہے کہ ان خوابوں کے سہارے زندگی نہیں گذاری جا سکتی —— یہ خواب کبھی کبھی انسان کو لہو رلواتے ہیں —— اب دیکھ لیجئے ..... وہ خواب جو آپ سب مل کر دیکھ رہی ہیں —— دیکھتی آئی ہیں —— ان خوابوں کے مطابق کوئی رشتہ آیا —— خواب کبھی سچ ہوتے دکھائی دیتے ہیں —— نہیں نا ——"

زیبا اپیا خاموش ہو گئیں۔

"یہی تو میں کہتی ہوں زیبا اپیا کہ خواب دیکھنے سے کچھ نہیں ہوتا ——" حنا کہنے لگی ...."ہمیں اپنے آپ کو بدلنا ہوگا، پرانی تہذیب کو بھی بدلنا ہوگا ...... ورنہ ہم پیچھے رہ جائیں گے —— زمانہ آگے نکل جائے گا اور ہم وقت کے دھارے سے کٹ جائیں گے ....

لڑکے آجکل ملتے کہاں ہیں ــــ جو ملتے ہیں ان میں ایک دو کمی یا خامیاں ضرور ہوتی ہیں ــــ ہر کوئی فرشتہ نہیں ہوتا ــــ کمزوریاں ضرور ہوتی ہیں ــــ اگر ہم ان خامیوں کی وجہ سے انکار کرتے رہے، رشتے ٹھکراتے رہے تو واقعی دیبا باجی بوڑھی ہو جائیں گی اور ہمارے دروازے پر کبھی کوئی برات نہیں آئے گی۔"

"تمہارا مطلب ہے کہ ہمارے ابا حضور اور امی حضور ہم لڑکیوں کا ہاتھ پکڑ پکڑ کر فقیروں کے حوالے کر دیں ــــ"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں ــ" حنا نے انکاری انداز میں گردن ہلائی ــــ میرا مطلب تو صرف یہ ہے کہ مناسب رشتے قبول کر لئے جائیں ــــ اگر کسی میں کوئی کمی ہو بھی تو اُسے نظر انداز کر دیا جائے.... اب دیکھئے نا ــــ اب تک دیبا باجی کے کتنے پیام آچکے ہیں شادی کے لئے.... لیکن کوئی اسکول ماسٹر ہوتا ہے تو کسی کی ذات میں کوئی کھوٹ ہوتی ہے اور کسی کی ہڈی نہیں ملتی ہے تو کوئی خاندانی نہیں ہوتا...... اور کوئی دیبا باجی کی جگہ آپ کو پسند کرتا ہے یا ہما آپا کو ــــ .... کب سے ایسا ہوتا آ رہا ہے اور میں پوچھتی ہوں یہ کب تک ہوتا رہے گا ــــ نہیں یہ بند ہو جانا چاہیئے ــــ"

"اسے کون بند کر سکتا ہے ــــ؟"

"اگر آپ سب چاہیں تو یہ روایت توڑی جا سکتی ہے ــــ

سب کچھ بدلا جا سکتا ہے ..... اور اگر مجھے موقع ملا گیا ..... تو پھر میں سب کچھ کر کے دکھاؤں گی ۔ حنّا نے ایک ایک لفظ پہ زور دیتے ہوئے کہا تھا اور اُسکے لہجے سے ایک عزم ٹپک رہا تھا۔ "تم بغاوت کر سکتی ہو سماج سے اپنی تہذیب اور اپنی روایات سے — ہم لوگ نہیں ۔"

"تو کیا ساری زندگی یونہی آنسو بہانا چاہتی ہیں آپ ۔"

"ہم میں ہمت نہیں ہے حنّا ..... ہم جس معاشرے اور جس ماحول میں پروان چڑھے ہیں وہاں اپنی زبان بند رکھنا سکھایا جاتا ہے ۔ ادب اور تعظیم کی تعلیم دی جاتی ہے ہمیں ..... ہم ... تہذیب اور نسلی امتیاز کے حصار میں قید ہیں حنّا — ہمیں اس میں بند رہنے دو ..... ہم میں بغاوت کرنے کی ہمت نہیں —"

بے شک ! آپ سب بزدل اور ڈرپوک ہیں ۔" حنّا نے گردن جھٹک کر اپنی چوٹی پیچھے ڈالی اور غصّے سے بھنّاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل آئی ۔

وقّار نے حویلی میں قدم رکھا تو چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔!

دالان اور در دالان والی سہ دری سنسان پڑی ہوئی تھی۔ اس کی چاروں بہنوں میں سے ایک بھی کہیں نہیں دکھائی دے رہی تھی — وقّار کی امی بھی کہیں نظر نہیں آ رہی تھیں ..... صرف باورچی خانہ سے دھواں اُٹھ اُٹھ کر آسمان کی طرف جا رہا تھا۔

وقّار مسکرا کر باورچی خانہ کی طرف پلٹ پڑا۔

"گلشن بوا ..... کہاں ہیں یہ سب لوگ —؟"

"ارے بھیّا صاحب! —" گلشن بوا نے چونک کر وقّار کی طرف دیکھا ....." کہاں نکل گئے تھے صبح سے ..... ناشتہ بھی نہیں کیا صرف

ایک پیالی چائے پی کر گئے تھے ۔۔۔ ہائے بھوک سے تمہارا کلیجہ کھرچ رہا ہوگا..... میں واری جاؤں بھیّا صاحب! ابھی کچھ کھانے کے لیئے لاتی ہوں ۔۔۔"

"نہیں..... ہمیں بھوک ووک نہیں ہے گلشن بوا ۔۔" وقار دھیرے سے مسکرایا تھا..... "ہمارا دوست آیا ہے، ذرا مردانے میں چائے بھجوادو....."

"میں قربان جاؤں بھیّا صاحب! منہ میں دو چار لڈوا سے لے تو ڈال لو....."

"نہیں.... ہم اب اکھٹا کھانا سب کے ساتھ کھائیں گے ۔۔۔" وقار ہنستے ہوئے واپس ڈیوڑھی سے نکل کر مردانے حصّے کی طرف چلا گیا۔

مردانے ڈرائنگ روم میں آفاق بیٹھا کوئی میگزین دیکھ رہا تھا، وقار کو دیکھ کر اُس نے میگزین میز پر ڈال دیا اور مسکرا کر بولا ۔۔۔ "کیا بات ہے آجکل بہت تھکے ہوئے دکھائی دے رہے ہو ۔۔؟"

"ہاں، آج ہم ذرا اپنی زمینوں کی طرف چلے گئے تھے..... پھر وہیں کچھ تیتر دکھائی دے گئے، اُنہیں شکار کرنے بڑھے تو وہ اُڑ گئے....." وقار اُسے بتانے لگا..... "ہم نے سوچا وہ آگے جاکر کہیں ضرور بیٹھیں گے اس لیئے اُن کے پیچھے پیچھے چل پڑے.... اسی بھاگ دوڑ میں ہم کافی آگے نکل گئے.... اور تھک گئے ۔۔۔"

"لیکن کچھ ہاتھ بھی لگا۔۔۔؟" آفاق نے سوال کیا اور ہنسنے لگا۔
"نہیں۔۔۔۔ ہم نے اڑتے ہوئے ہی ایک فائر جھونک مارا تھا جس سے دو تیتر ٹپک پڑے تھے۔۔۔ وہی لے آئے ہے۔" یہ کہتے ہوئے وقار نے بندوق کی نالی جھکا کر خالی کارتوس نکالا اور پھر دوبارہ سیدھی کر کے بندوق سامنے دیوار پر لٹکا دی۔

اسی وقت بشیر میاں چائے کی ٹرے لے آئے۔
جب وہ چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر چائے بنانے لگے تو وقار نے کہا۔ "رہنے دو بشیر میاں چائے ہم بنائیں گے۔۔۔ تم جا کر گھوڑا اصطبل میں باندھ دو، لیکن اس کی زین اتار دینا۔۔۔۔ دو تیتر اس میں بندھے ہیں وہ اندر پہنچا دو۔۔۔"
"بہت اچھا بھیا صاحب۔۔۔!" بشیر میاں سر خم کیے باہر نکل گئے۔

وقار ان کے جانے کے بعد اپنے اور آفاق کے لئے چائے بنانے لگا، دو پیالیاں بنا کر اس نے ایک آفاق کی طرف بڑھائی اور دوسری خود اُٹھالی۔۔۔ "کچھ لو نا۔۔۔؟" دفعتاً چپس کی پلیٹ اٹھا کر اس نے آفاق کی جانب بڑھائی۔
"شکریہ۔۔۔"

دونوں خاموشی سے چائے سپ کرنے لگے۔
"کیا کر رہے ہو آجکل۔۔۔؟" تھوڑی دیر بعد وقار

نے پوچھا۔

"کون ہیں! ___" آفاق نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا..... "ابھی ابھی انٹرویو دے کر آیا ہوں انجنیئرنگ کے لئے ___"

"امید ہے کوئی ___؟"

"ہاں اسی امید پر آج تک گاڑی کھینچ رہا ہوں ___" آفاق گہری سانس لے کر بولا "لیکن تم اپنی سناؤ۔ تمہارا کہیں ڈول لگا یا نہیں ___؟"

پہلے کافی کوشش کی تھی، لیکن بات بنی نہیں ___" وقار اپنے دوست کو بتانے لگا "اور پھر ہمیں جو چانس وغیرہ ملا بھی وہ ہمارے لائق نہیں تھا یا ہم اس کے لائق نہیں تھے ___ بہرحال آج کل تو اوب کر بس اپنی زمینوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہوں ___"

"تو کیا زندگی یونہی گذار دو گے ___؟"

"زندگی ہم نہیں گذارتے آفاق..... زندگی خود ہمیں گذار رہی ہے میرے دوست ___"

"بہت خوب!..... کیا آجکل شاعری وغیرہ چل رہی ہے ___" آفاق نے قہقہہ لگایا اور چائے کا خالی کپ میز پر رکھ کر سگریٹ کے لئے اپنی جیب ٹٹولنے لگا۔

"لو..... یہ برانڈ چلے گا ___" وقار نے اپنے سگریٹ کا پیکیٹ

اس کی طرف بڑھایا۔

"اوہ۔ تو..... شکریہ! میں اپنا ہی برانڈ پیتا ہوں۔"
یہ کہہ کر آفاق نے اپنا پیکیٹ کھولکر سگریٹ نکالا اور اسے ہونٹوں میں دبا کر لائیٹر سے سلگانے لگا۔

وقار اپنی سگریٹ سلگا رہا تھا۔

ایک گہرا کش کھینچ کر آفاق نے کہا۔ "اور ہاں سناؤ یار کہیں شادی وغیرہ کا چکر بھی چلایا نہیں۔۔۔؟"

"شادی۔۔۔!" وقار نے ایک ٹھنڈی سانس بھری تھی ....." نہیں بھئی ابھی شادی نہیں کی لیکن کرنا چاہتا ہوں۔"

"تو کیا کوئی لڑکی پسند کر لی ہے تم نے۔۔۔؟"

"اتفاقاً سے ...... لیکن وہ کون ہے ..... کہاں ہے اس بارے میں ہم سے کچھ نہ پوچھنا! یہ ایک راز ہے جو ہمارے سینے میں اس وقت تک دفن رہے گا جب تک کوئی مناسب موقع نہیں آجاتا ..... اور وہ موقع ..... شادی کا ہی ہو سکتا ہے، تب تمہیں سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔۔۔"

"بہت خوب۔۔۔" آفاق نے دونوں ہاتھ سے تالی بجائی ۔۔۔ "بہت خوب! تم تو چھپے رستم نکلے یار ..... چپکے ہی چپکے لڑکی بھی پسند کرلی ......"

وقار صرف مسکرا کر رہ گیا تھا۔

"لیکن یہ ملاقات کہاں اور کیسے ہوئی" ۔۔۔ آفاق نے دلچسپی لیتے ہوئے اُسے کریدا تھا۔ "یار یہ تو بتاؤ۔۔۔؟"

وقار نے دو چار لمبے لمبے کش لگائے، اس کا چہرہ کسی خیال سے تمتما گیا تھا اور آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی تھی۔۔۔ پھر وہ جذباتی لہجے میں بولا۔۔۔ "بس ہو گئی تھی ملاقات۔۔۔ اسے حادثہ ہی کہنا چاہیئے ۔۔۔ ایسا حادثہ جس نے ہماری زندگی کا رخ ہی بدل دیا ہے۔ ہمیں اب محسوس ہوتا ہے جیسے کسی نے ہمیں لق و دق صحرا سے اٹھا کر کسی کہکشاں کی وادی میں پہنچا دیا ہے۔۔۔ خوابوں کے جزیرے میں پہنچا دیا ہے ہمیں۔"

"یہ حادثہ تازہ تازہ ہی معلوم ہوتا ہے ۔۔۔"

"بے شک! ایک ہفتہ قبل۔۔۔ اس سے قبل اس سے ملاقات نہ ہوئی تھی جیسے زندگی سے ملاقات ہو گئی تھی ۔۔۔" وقار کے ہونٹ آپ ہی آپ مسکرانے کے انداز میں پھیل کر رہ گئے تھے۔۔۔ "سچ کہتے ہیں ہم، آفاق زندگی پہلے کبھی اس طرح نہیں مسکرائی تھی۔۔۔ دل کی دھڑکنیں پہلے کبھی ایسی تو نہ تھیں۔۔۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہمیں جینے کا انداز آتا جا رہا ہے ۔۔۔"

"چوٹ گہری معلوم ہوتی ہے ۔۔۔!"

"ہاں بہت گہری ۔۔۔ تڑپ رہے ہیں ہم۔۔۔ لیکن آفاق! اس تڑپ میں وہ مزا اور وہ لذت ہے جو ہمیں کبھی نصیب

نہیں ہوئی تھی......"

"لیکن یہ سب کچھ ہوا کیسے — کچھ ہمیں بھی تو بتاؤ —"

اور تب وقار نے اپنے گہرے دوست آفاق کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھدیا — "بس یہ ہماری قسمت تھی جو اس سے ہماری ملاقات ہو گئی...... اُس دن ہم صبح ہی صبح گنگا کی سیر کو نکل گئے تھے .... گنگا کے کنارے کنارے ریت پر گھوڑسواری کرنا ہمیں بیحد پسند ہے..... ہم اکثر گنگا کی طرف نکل جاتے ہیں.... گنگا کا خاموش کنارا — دور تک تھما ہوا پانی.... لہروں کی شہنائی اور کسی بھٹکتی ہوئی ناؤ کی مانند ہماری تنہائی — وہاں تھوڑی دیر کیلئے ہم جیسے اپنے تمام دکھوں کو بھول جاتے ہیں — بھول جاتے ہیں کہ زندگی میں ہزاروں غم ہیں — بہت سکون ملتا ہے وہاں ہمیں اور......"

"یار تمہید باندھتے رہو گے یا آگے بھی بڑھو گے —؟" آفاق جھلا گیا۔

وقار ہنسنے لگا، پھر ہنستے ہوئے بولا — "اگر تم بور ہو رہے ہو تو ہم تمہیں اپنی داستان محبت نہیں سنائیں گے۔"

"بور تمہاری بیجا قالتو باتوں سے ہو رہا ہوں —" آفاق جل کر بولا — "تم منظر کشی کم کرو اور کام کی باتیں زیادہ — چلو شروع ہو جاؤ —"

"اچھا..... اچھا سنو اب" وقار دھیرے سے مسکرا کر بولا۔
"ہم اپنے گھوڑے پر سوار گنگا کے کنارے کنارے بچھی ہوئی
ٹھنڈی اور نرم ریت پر چلے جا رہے تھے کہ یکایک ہم نے اُسے
وہاں کھڑے ہوئے دیکھا..... سفید غرارے اور سفید ہی جمپر
اور سفید ہی ستارے ٹکے دوپٹے میں ملبوس وہ ریت کے
ایک ٹیلے پر کھڑی خاموش نگاہوں سے گنگا کے بہتے ہوئے
دھارا کو دیکھ رہی تھی ...... اس کا سفید لباس صبح کی ہواؤں
سے لہرا رہا تھا..... سرسرا رہا تھا..... اور وہ کنارے پر گم صم
کھڑی کسی سنگ مرمر کے مجسمے کی مانند دکھائی دے رہی تھی..
...... اُسے دیکھتے ہی ہمیں ایسا لگا جیسے کوئی آسمانی حور راہ بھٹک
کر زمین پر چلی آئی ہے..... وہ خوابوں کی شہزادی کی مانند
دکھائی دے رہی تھی ـــ بے حد حسین، پاکیزہ اور مقدس ـــ
اُسکے سیاہ بال اس کے شانوں پر کالی گھٹاؤں کی طرح لہرا رہے
تھے ـــ اور وہ اکیلی چپ چاپ اپنے اردگرد کے ماحول
سے بے خبر اپنے ہی خیالوں میں گم کھڑی تھی..... آفاق اس
اس لڑکی کا یہ انداز اور روپ دیکھ کر ہمارے دل پر اس لڑکی
کا نقش یوں ابھر آیا جیسے کہیں دور پہاڑوں کے پیچھے چاند
ابھرتا ہے ـــ یہ تصویر ابھی تک ہمارے دل پر ثبت
ہے آفاق......"

"پھر کیا ہوا بابا ——؟"

"پھر ہمارا گھوڑا اُس کے قریب سے گزر کر آگے نکل گیا۔ گھوڑا آگے نکل گیا، لیکن ہم وہیں پیچھے لڑکی کے پاس رہ گئے..... ہماری روح اس مقدس اور پاکیزہ لڑکی کے قدموں میں جھک گئی .... ہمارا خالی جسم گھوڑے پر سوار آگے بڑھتا چلا گیا۔"

"وقار......" آفاق نے ٹھنڈی سانس بھری تھی .....

..." برخوردار اب زیادہ سسپنس پیدا نہ کرو....." اور سیدھی طرح سناؤ —— اور یہ بھی یاد رکھو تم کوئی فلمی کہانی نہیں سنا رہے ہو اور میں بھی کوئی پروڈیوسر ڈائرکٹر وغیرہ نہیں ہوں ——"

"بھئی تمہیں سننا ہے تو خاموشی سے سنو ورنہ ہم تمہیں نہیں سنائیں گے ——" وقار نے برا مان کر کہا۔

"اچھا اچھا سناؤ .... میں اب کچھ نہیں بولوں گا۔"

"یہ عجیب نا گفتہ بات —— ہے" وقار نے گہری سانس لے کر جواب دیا —— "پھر تو جب ہم خالی ذہن اور خالی جسم کے ساتھ گھوڑے پر سوار بہت آگے نکل گئے اور ہمارا دل وہیں لڑکی کی زلفوں اور اس کے سفید دوپٹے کے آنچل میں الجھا رہ گیا تو یکا یک ہم چونک پڑے ..... چونک اس لئے پڑے کہ ہمارا گھوڑا خود بخود رک گیا تھا ——"

"کیوں ——؟"

"کیونکہ آگے راستہ بند تھا اور ہم اس لڑکی کے تصور میں ڈوبے ہوئے کہاں سے کہاں نکل آئے تھے ـــ" وقار دھیمی دھیمی آواز میں بتانے لگا... "جب ہمیں ہوش آیا تو ہم نے گھوڑے کی لگام پھیری اور واپس دوبارہ ادھر لوٹ پڑے جدھر سے آئے تھے...... ابھی تک ہمیں اس آسمانی شہزادی کا خیال اپنی طرف کھینچے لئے جا رہا تھا۔ اُسے ایکبار دیکھا تھا اور دوسری بار دیکھنے کی ہوس تھی ـــ دوبارہ دیکھنے کی خواہش ہمارے دل میں شدید سے شدید تر ہوتی جا رہی تھی ـــ"

"آگے بڑھو ـــ آگے بڑھو ـــ!"

"آگے ہی تو بڑھا چلا جا رہا تھا یار ـــ لیکن گھوڑے سے زیادہ رفتار تو ہمارا تصور رکھتا جو ہم سے پہلے وہاں پہنچ چکا تھا ـــ" وقار مسکرا کر کہنے لگا.... "لیکن جب ہم دوبارہ وہاں پہنچے تو وہ لڑکی وہاں موجود نہیں تھی..... اُسکی وہ جگہ جہاں وہ کچھ دیر پہلے کھڑی ہوئی تھی خالی پڑی ہمارا منہ چڑا رہی تھی ـــ"

"کیا غائب ہو گئی تھی وہ ـــ؟" آفاق نے حیرت سے پلکیں جھپکائی تھیں۔

"ایسا ہی لگتا تھا یار جیسے وہ ہواؤں میں تحلیل ہو گئی ہو...... جیسے وہ ہمارے سامنے ایک خواب کی مانند نمودار ہوئی تھی ویسی ہی خواب اور تصور کی طرح غائب بھی ہو گئی..... ہم نے اپنا گھوڑا

روک لیا اور حیرت سے اِدھر اُدھر دیکھا ــــ لیکن وہ ہمیں کہیں بھی دکھائی نہ دی ..... لیکن اسی وقت جب ہم حیرت سے اپنے چاروں طرف تلاش کر رہے تھے وہ ہمیں نظر آ گئی .... ہم نے اُسے دیکھ لیا ــ لیکن کہاں جانتے ہو ....؟"

"کہاں ــــ؟" آفاق کا اشتیاق لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جا رہا تھا۔

"وہ ہمیں دکھائی دی تو گنگا کی لہروں میں دکھائی دی .... اور اس حالت میں کہ ڈبکیاں اور غوطہ کھاتے کھاتے وہ نڈھال ہو چکی تھی اور شاید وہ تیرنا نہیں جانتی تھی کہ مدد کے لئے اس کے ہاتھ ہوا میں کسی سہارے کی تلاش میں گردش کر کے رہ جاتے تھے ..... لیکن سہارا کوئی نہیں تھا .... اور وہ جیسے ہوا کو ہی پکڑنے کی کوشش کر رہی تھی لیکن ہوا گرفت میں نہ آتی تھی ... اور بے پناہ جدوجہد کرتے اور لہروں سے جنگ لڑتے لڑتے اس کے بازو شل ہو چکے تھے اور وہ کافی تھک چکی تھی ..... بے پایاں گہرائی اسے اپنے اندر سمو لینے کے لئے بے تاب ہو رہی تھی، پانی اُسے اپنی آغوش میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے سمیٹنے کے لئے بے چین تھا ــــ لیکن وہ زندہ رہنے کے لئے سب سے مقابلہ کر رہی تھی ــــ برابر الجھ رہی تھی ــــ وہ اپنی موت کو شکست دینے کیلئے بھرپور کوشش کئے جا رہی تھی ــ"

"اور تم احمقوں کی طرح اُسے ڈوبتے ہوئے دیکھتے رہے ـ" آفاق بے چین ہو کر بولا۔

وقار اُس کی جانب دیکھ کر دھیرے سے مسکرایا اور پھر کہنے لگا۔۔۔۔ "ہاں چند لمحوں تک ہم اُسے پانی سے لڑتے ہوئے دیکھتے رہ گئے۔۔۔۔ دراصل ہماری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ خودکشی کرتے پانی میں اتری تھی یا اس کا پیر پھسل گیا تھا، اور وہ گہرے پانی میں ڈوبنے لگی تھی۔۔۔۔ لیکن پھر ہماری سمجھ میں آگیا کہ اگر وہ خودکشی کرنے کے لئے پانی میں کودی ہوتی تو پھر ڈوبنے سے بچنے کے لئے جدوجہد نہ کر رہی ہوتی ــــ وہ تیراکی کے لئے بھی پانی میں نہیں اُتری تھی، ورنہ اس کے جسم پر اس کا مکمل لباس نہ ہوتا ــــ یقیناً وہ پھسل کر گر پڑی تھی اور اب وہ ڈوبی جا رہی تھی اور تیرنا اُسے آتا نہیں تھا ــــ"

"پھر۔۔۔۔ پھر کیا تم نے اُسے ڈوبنے دیا ــــ؟"

"ہاں! لہروں اور پانی سے لپٹتے الجھتے شاید وہ ڈوب ہی جاتی کہ ہم نہ جانے کس بے چینی اور اضطرابی حالت میں گھوڑے کی لگام کھینچ کر کنارے پر پہنچ گئے۔۔۔۔ ہم نے دیکھا وہ تھک کر نڈھال ہو چکی تھی۔۔۔۔ اس کے اعضا جواب دے گئے تھے، اور تب اُس نے اپنی پھٹی پھٹی وحشت ناک آنکھوں سے ہماری جانب دیکھا ــــ اُف آفاق ــــ اُن آنکھوں میں دم توڑتی حسرتوں کے جنازے دکھائی دیئے ہمیں ــــ ہم نے اُن آنکھوں میں اُس کے دل کی پوری بات جان لی، اس کی آنکھوں نے اپنی

بے کسی اور بے بسی کی ساری داستان سنا دی تھی ..... اور تب اس لمحے جب وہ لہروں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھپ جانا چاہتی تھی ہم نے جانے کس جذبے کے تحت اپنے گھوڑے کی پیٹھ پر کھڑے ہو کر بے اختیار گنگا میں چھلانگ لگا دی ۔"

"شاباش ۔۔۔!"

"دو چار ہاتھ مارتے ہی ہم اس کے قریب پہنچ گئے ...." وقار نے دوسری سگریٹ سلگانے کے بعد پھر کہنا شروع کیا ۔ "اس وقت تک اس کے پیٹ میں اتنا پانی بھر چکا تھا اور دم گھٹنے اور سخت جدوجہد کی وجہ سے وہ اتنا شل ہو گئی تھی کہ ہمیں دیکھتے ہی اس نے اپنے ہاتھ پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیئے ۔۔۔ شاید اس پر غشی طاری ہو گئی تھی ۔۔۔ اور پھر اس سے پہلے کہ وہ پانی کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہم نے اس کے بالوں کو اپنی مٹھی میں دبایا اور تیرتے ہوئے کنارے کی جانب بڑھنے لگے ..... وہ کسی کشتی کی مانند ہمارے ساتھ گھسٹتی چلی آئی ۔۔۔ نیم بے ہوشی اس پر ابھی تک طاری تھی ۔"

"تو اس طرح تم نے اس کی جان بچالی ۔۔۔!" آفاق کا چہرہ تمتما رہا تھا ۔

"ہاں! باہر کنارے پر لا کر اوندھا کر کے اس کے پیٹ کا پانی نکالا اور پھر اُسے ریت پر ڈال دیا ۔۔۔ وہ گہری گہری سانسیں

لے رہی تھی اور تشنجی کیفیت میں اپنے ہاتھ پاؤں پٹک پٹک دیتی تھی ...... ہم خاموش ہو کر اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنے لگے ...... اور اس کے ملکوتی حسن کا جائزہ لیتے رہے ....."

"بہت بے شرم ہیں آپ ــــ"

"اس میں بے شرمی کی کیا بات ہے بھئی ــــ" وقار نے اپنی گدی کھجائی تھی " اور پھر اس وقت ہم اپنے آپ میں کہاں تھے ...... ہم تو خود بھی مدہوش ہو چکے تھے اُس کے حسن سے ...... اُس کے بدمست شباب اندر کا فرجوانی نے ہمیں بیگانہ کر دیا تھا ــــ ہم اُسے دیکھ رہے تھے ـ یہ یقیناً بے ادبی اور گستاخی تھی ...... لیکن ہم مجبور تھے اپنے دل کے ہاتھوں ..... بہت مجبور تھے ــــ"

"جی ہاں ـ جی ہاں ــــ" آفاق نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی تھی ـ

"تم تو بے ہودہ ہو، ایسی گندی بات سوچتے کیوں ہو ــــ" وقار نے اُسے گھورا تھا ـ

"خیر ــــ خیر ــــ" آفاق جلدی سے بولا ــــ " کہانی آگے بڑھاؤ ــــ"

وقار نے فوراً ہی کوئی جواب نہیں دیا بلکہ سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگاتے ہوئے کسی خیالوں میں ڈوب گیا ..

"کہاں کھو گئے تھے ؟"

"آں ....." وقار نے چونک کر اُس کی جانب دیکھا ..." ہاں تو ہم کہہ رہے تھے کہ وہ ملکوتی حُسن ریت پر پڑا گہری گہری سانس لے رہا تھا اور ان سانسوں سے اُس کے سینے کا مدو جزر ایک قیامت ڈھا رہا تھا ..... ہم سچ کہتے ہیں آفاق ..... ایسا حُسن اور ایسی تقدیس آج تک کسی لڑکی میں نہیں دیکھی تھی اسلئے ہم اس حُسن کی عظمت کے سامنے اپنا سر جھکانے پر مجبور ہو گئے ..... ہم جیسے اس وقت اپنے آپ سے بیگانہ ہو گئے، سب کچھ بھول گئے ــــ پھر رفتہ رفتہ اُسے ہوش آنے لگا اور پھر دھیرے سے اس نے اپنی غلافی آنکھیں کھول کر پلکوں کی ریشمی جھالریں لہرائیں ہمیں اپنے اتنے قریب پا کر بے اختیار چونک کر اُٹھ بیٹھی اور دوپٹے سے اپنے بھیگے ہوئے سراپا کو چھپانے کی کوشش کرنے لگی ــــ وہ بے حد گھبرائی ہوئی، پریشان اور ہراساں ہو گئی تھی ــــ"

وقار نے رک کر سگریٹ کے گہرے گہرے کش لگائے اور اور پھر کہنے لگا۔

"ہم نے اُسے گھبرایا ہوا دیکھ کر جلدی سے کہا ــــ آپ پریشان نہ ہوں، اب آپ خطرے سے باہر نکل چکی ہیں ..... لیکن یہ ہوا کیسے ......؟"

"مم ..... میں ....." وہ بُری طرح ہانپتے ہوئے بولی ــــ "میں

گر گئی تھی...... پاؤں پھسل گیا تھا میرا......"

"اوہ ـــ" میں نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔ "کہیں چوٹ تو نہیں آئی آپ کو...... اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔"

"اب...... اب میں ٹھیک ہوں..... آپ نے میری جان بچائی اور خود اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا اس کے لئے میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں اتار سکوں گی ـــ یہ کہتے کہتے اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"اس میں احسان کی کوئی بات نہیں ہے...... یہ تو میرا فرض تھا......"

"آپ..... آپ...... آپ تو میرے لئے کسی آسمانی فرشتے سے کم ثابت نہیں ہوئے......" جذبات سے اُس کی آواز لرز رہی تھی "......محسن ہیں آپ میرے ـــ"

"آپ بھیگ گئی ہیں ـــ کہیں سردی نہ لگ جائے آپ کو......"

"بھیگ تو آپ بھی گئے ہیں ـــ"

"آپ ہماری پرواہ نہ کریں..... ہم تو..... ہم تو ایسے ہی... ہاں ادھر کیسے آگئی تھیں آپ ـــ ؟"

"بس صبح کی سیر کرنے نکل آئی تھی ـــ" وہ ابھی تک گہری گہری سانسیں لے رہی تھی...." سوچتی ہوں اگر آپ نہ آجاتے تو آج موت

کہ ظالم ہاتھوں سے کوئی بھی مجھے نہیں بچا سکتا تھا ۔۔۔"

"بچانے والا تو خدا ہے ۔۔۔" ہم نے ہنس کر جواب دیا تھا
...... "ابھی کچھ ہی دیر میں سورج نکل آئے گا اور آپ کے کپڑے
سوکھ جائیں گے۔ یہاں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں آپ اپنے
کپڑے سکھا سکیں ......"

"کوئی بات نہیں، میں باہر مڑک سے ٹیکسی لے کر چلی جاؤنگی
۔۔۔" اس نے جھکی جھکی نظروں سے ہمیں دیکھتے ہوئے جواب دیا اور
پھر ایکدم پلٹ کر جاتے ہوئے بولی ۔۔۔ "اچھا خدا حافظ ۔۔۔"

"خدا حافظ ۔۔۔" میں نے بدخیالی میں آہستہ سے جواب دیا اور
کھڑا اُسے جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا...... چند ہی لمحوں بعد وہ ہماری
نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی ۔۔۔!

"بس ۔۔۔؟" آفاق نے حیرت سے پوچھا۔

"بس ! ۔۔۔"

"تم نے اس کا نام وغیرہ بھی نہیں پوچھا ۔۔۔؟"

"ہوش کسے تھا یار ۔۔۔" وقار دھیرے سے ہنس کر بولا۔
۔۔۔ "اس وقت تک تو ہم اس کی زلفوں کے اسیر ہو چکے تھے ۔۔۔"

"پھر کب ملاقات ہوئی اُس سے ۔۔۔؟"

"تین دن بعد ...... وہیں گنگا کے کنارے .... اس نے ہمارا
ایک بار پھر شکریہ ادا کیا تھا اور .... اور ہمارے بارے میں پوچھا

تھا۔"

"اس بار تو تم نے نام معلوم کر لیا ہوگا۔"

وقار کے چہرے پر ایک سرخی دوڑ گئی، چند لمحوں تک وہ کچھ سوچتا رہا، پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔ "باتوں باتوں میں ہم نے اس کا نام معلوم کر لیا..... آفاق جتنی وہ خود خوبصورت ہے اتنا ہی خوبصورت ہے اس کا نام۔ اُسے شبانہ کہتے ہیں۔ کیوں کیسا نام ہے شبانہ۔؟"

"بہت عمدہ۔ چلو مبارک ہو۔"

"مبارکباد اس وقت دینا جب ہم اُسے حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں.... ابھی تو صرف ملاقاتوں پر ہی زندگی بسر ہو رہی ہے ہماری۔" وقار نے جواب دیا..." یار تمہارے لئے اور چائے منگوائیں یا کھانا....؟"

"نہیں.... نہیں.... بہت دیر ہو گئی ہے۔" آفاق گڑبڑا کر اُٹھ گیا... گھر پر سب لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"کھانا کھا کر جاؤ یار۔"

"نہیں۔ شکریہ۔ اچھا خدا حافظ۔ آفاق نے ہوا میں ہاتھ لہرایا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔

باہر احاطے میں دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔

مولسری اور جامن کے پتوں میں ہوا ہولے ہولے سرسرا رہی تھی..... اور انہی درختوں میں سے ایک پر کوئی فاختہ مسلسل بولے چلی جا رہی تھی — دوپہر کے سناٹے میں اس میں یہ آواز بہت عجیب سی معلوم ہو رہی تھی — ؟

آفاق جب وقار کے کمرے سے باہر نکلا تو دیر ہو جانے کی وجہ سے کافی جلدی میں تھا اس کے سان و گمان میں بھی نہیں تھا کہ دوپہر کے مہیب سناٹے میں اس کی ملاقات آسمان کے چاند سے ہو جائے گی...... اس کی پھیکی، اداس اور ویران زندگی میں اچانک بہار آ جائے گی — ؟

مہندی کی باڑھ کے قریب ہی وہ چاند ستاروں کے جھرمٹ سے ٹکرا گیا تھا۔؟

"ہائے اللہ ۔۔۔؟" ایک سریلی چیخ ابھری تھی۔

"اوہ ۔۔۔ معافی چاہتا ہوں ۔۔۔" وہ آنکھیں پھاڑ کر پلکیں جھپکانا رہ گیا تھا۔۔۔ "مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ ۔۔۔ آپ ۔۔۔؟"

"کون ہیں آپ اور ۔۔۔ ؟" وہ اسے گھورے جا رہی تھی۔

"مم ۔۔۔ میں ۔۔۔ میں ہوں ۔۔۔"

"میں ۔۔۔ ؟"

"جج ۔۔۔ جی ہاں ۔۔۔ جی ہاں میں ۔۔۔"

یکایک وہ بے ساختہ ہنس پڑی، ہنستے ہنستے دوہری ہو گئی ۔۔۔ لیکن وہ پھر اچانک یوں رک گئی تھی جیسے کسی نے بریک لگا دیا ہو ۔۔۔ جیسے یکایک اسے اپنی بے پردگی کا احساس ہو گیا ہو ۔۔۔

"ہائے اللہ ۔۔۔" یہ کہتے ہی اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا ۔۔۔ "آنکھیں پھاڑے کیوں گھور رہے ہیں آپ ہمیں ۔۔۔؟"

"جج ۔۔۔ جی ۔۔۔ مم ۔۔۔ مم ۔۔۔"

"آپ تو ممیا رہے ہیں ۔۔۔" وہ منہ چھپائے چھپائے

وہاں سے بھاگی اور تیزی سے چھلانگ لگا کر غلام گردش کے ایک ستون کے پیچھے چھپ گئی۔

آفاق ہکا بکا کھڑا رہ گیا ــــ وہ اس سحر سے مبہوت ہو کر رہ گیا تھا.... اس کی آنکھوں کے سامنے ایک بجلی سی لہرائی تھی اور جا کر غلام گردش کے ایک ستون کے پیچھے غائب ہو گئی تھی...... اور اُسے دنیا و مافیہا سے بے خبر کر گئی تھی ــــ ؟

پھر جانے کتنے لمحے ــــ جانے کتنی صدیاں بیت گئیں ..... آفاق کو اس کا کوئی علم نہیں ہوا ــــ وہ تو اُن آنکھوں کے طلسم میں الجھ کر جیسے پتھر میں تبدیل ہو گیا تھا جن آنکھوں کو اس نے ابھی بے جھجک اور بے نقاب دیکھا تھا ــــ جیسے طور کا جلوہ تھا جو اس کے سامنے ایک لمحے کے لئے ظہور میں آیا تھا ــــ اور اسے سر سے پاؤں تک جلا کر راکھ کر گیا تھا......

اس بھری دوپہر میں اس نے یہ کس کا دیدار کر لیا تھا ــــ کس مہکتے ہوئے گل کو دیکھ لیا تھا کہ جس کی تپش اور حسن کی حدت سے وہ پگھل کر رہ گیا تھا ــــ ؟

اور وہ ــــ جو ستون کے پیچھے اپنے وجود کو سمیٹے سہمی ہوئی ہرنی کی طرح کھڑی یوں ہانپ رہی تھی جیسے ایک لمبی مسافت طے کر کے آ رہی ہو..... اسکا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا،

دھڑک دھڑک کر سینے سے باہر نکل آنے کے لئے بیتاب ہو رہا تھا...... شرم، گھبراہٹ اور غیر مرد سے یوں اچانک سامنے پڑ جانے سے اس کا چہرہ گلنار ہو رہا تھا اور اس کا رواں رواں جانے کیوں کانپنے لگا تھا...... ہاتھ پیروں میں ایک عجیب سی سنسناہٹ بچ رہی تھی اور دل جیسے کانوں کے پاس اچھل اچھل کر ٹکریں مار رہا تھا ــــ!

"ہائے اللہ ــــ؟" زیبا نے جلدی سے اپنا ہلتا ہوا کلیجہ تھام لیا۔

آفاق سے بے خیالی میں ٹکرا جانے والی یہ زیبا ہی تھی جو دوپہر کے اس سناٹے میں مردانے حصے کی طرف کسی کام سے چلی آئی تھی...... اور بیٹھے بٹھائے چوٹ کھا گئی تھی...... اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی غیر مرئی طاقت اسے اپنی جانب کھینچ رہی ہے..... کوئی غیبی آواز اپنی طرف بُلا رہی ہے...... اور وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس اجنبی اور غیر مرد کی طرف دیکھنے کے لئے مجبور ہو گئی جو مہندی کی باڑھ کے قریب کھڑا ابھی تک حیرت سے اپنی سیاہ اور لمبی پلکیں جھپکائے چلا جا رہا تھا۔!

یکایک آفاق کو ہوش آ گیا..... وہ یوں چونکا تھا جیسے ابھی سوتے سوتے جاگ پڑا ہو..... اس نے گھبرا کر ادگرد کا جائزہ لیا ــــ لیکن اطراف میں دور دور تک کوئی نہیں تھا

— اس کا مطلب تھا اُسے کسی نے بھی نہیں دیکھا تھا......
قدرے اطمینان کی اُس نے ایک گہری سانس لی اور پھر جھکی جھکی نظروں کے ساتھ اُس نے ستون کی طرف دیکھا.... گلابی گلابی کپڑوں میں ملبوس کوئی چھپا کھڑا ہوا تھا — ؟

"آپ..... آپ نے بُرا تو نہیں منایا.....؟" وہ اٹک اٹک کر پوچھنے لگا۔

لیکن زیبا — اسے اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ جواب دیتی...... ہوش ہوتا بھی تو اپنے اندر اتنی ہمت کہاں سے لاتی کہ اس کی بات کا جواب دیتی...... وہ تو کسی سہمی ہوئی ہرنی کی مانند چھپی کھڑی اور دل کو پکڑے ہوئے آفاق کو کن انکھیوں سے جھانک رہی تھی جیسے وہ شکاری تھا اور شکار کرنے آیا تھا۔

"امید ہے آپ نے.... آپ نے مجھے معاف کر دیا ہوگا.....؟"

لیکن زیبا پھر بھی خاموش رہی، اب وہ سنبھل گئی تھی اور شرم نے اس کی زبان گنگ کر دی تھی — پہلی بار ٹکر ہوتے ہی وہ گھبرا گئی تھی اور اس نے دو چار باتیں اس سے بے دھیانی میں کر لی تھیں... لیکن اب چاہے قیامت آجاتی وہ بول کے نہ دیتی...... شرم سے اس کے رخسار تمتما کر لال بھبھوکا ہوئے جا رہے تھے — !

"خاموش کیوں ہیں آپ ——؟" آفاق اس کے نہ بولنے پر اور زیادہ پشیمان ہوئے جا رہا تھا..... ندامت کا پسینہ اس کی پیشانی سے پھوٹ پڑا تھا۔

لیکن وہاں مسلسل خاموشی اس کے ہر سوال پر...... آخر آفاق نے عرق آلود پیشانی رومال سے صاف کی اور جھینپ کر تیزی سے لمبے لمبے قدم بڑھاتا صدر پھاٹک کی طرف بڑھتا چلا گیا..... پھاٹک پر پہنچ کر اس نے رک کر ایک لمحے کے لئے پلٹ کر ایک بار ستون کی طرف دیکھا اور گلابی گلابی وجود کی ایک جھلک دیکھ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

جب وہ پھاٹک سے باہر نکل گیا تب بھی زیبا ستون کے پیچھے نہ چاہتے ہوئے بھی کھڑی رہی..... جانے کونسی طاقت نے اسے زمین سے چپکا دیا تھا..... یہ کیا چیز تھی کہ وہ خود بھی ستون کے پیچھے ایک ستون میں تبدیل ہو گئی تھی ——

جانے والا اجنبی چلا گیا تھا —— لیکن جاتے جاتے اس کے پاس سے نہ جانے کیا چیز لے گیا تھا کہ وہ اس چیز کی کمی اپنے اندر بے حد محسوس کر رہی تھی —— اپنے سینے کے اندر ایک خلا سا پا رہی تھی —— جیسے کچھ کھو گیا تھا —— کچھ گم ہو گیا تھا —— وہ ہلکی ہو گئی تھی......!!

کافی دیر تک زیبا خالی خالی نظروں سے اس پھاٹک کی طرف

دیکھتی رہی جس سے نکل کر وہ گیا تھا ـــــ اور جیسے کوئی چیز زبردستی چھین کر لے گیا تھا اور اب وہ خالی ہاتھ رہ گئی تھی ـــــ اس بھری دوپہر میں وہ لٹ گئی تھی ـــــ؟"

بہت بے دلی، افسردگی اور تھکے تھکے انداز میں زیبا ستون کی آڑ سے نکلی اور بجھے بجھے دل کے ساتھ ڈیوڑھی کی جانب بڑھنے لگی...... اس کا چہرہ ابھی تک اس کے شوخ اور چنچل جذبات کی چغلی کھا رہا تھا ـــــ سانسیں ابھی تک تیز تھیں اور دل ابھی تک دھڑک دھڑک کر کانوں کے پاس صدا دے رہا تھا ـــــ

اور یہ دھڑکنیں کتنی انوکھی اور ہیجان خیز تھیں ـــــ ان دھڑکنوں سے آج تک اس کا واسطہ نہیں پڑا تھا ـــــ وہ ان سے کتنی ناواقف اور ناآشنا تھی ـــــ لیکن آج ایک اجنبی نے اس سے ٹکرا کر اسے کتنی کیفیتوں سے روشناس کرا دیا تھا ـــــ!

لیکن یہ اجنبی تھا کون ـــــ؟

دفعتاً یہ سوال زیبا کے دماغ میں گونجنے لگا...... اس نوجوان کو تو اس نے آج تک کبھی بھی نہیں دیکھا تھا ـــــ وہ اس حویلی میں کیوں اور کیسے آیا تھا ـــــ یہ وہ نہیں جانتی تھی ـــــ پھر اسے کیسے پتہ چلے گا کہ نو وارد کون تھا ـــــ کون تھا ـــــ؟

گھر کے اندر داخل ہو کر وہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو راستے میں اُس کی مڈبھیڑ حنا سے ہو گئی۔

"کیا بات ہے اپیا، آپ کا چہرہ اتنا سرخ کیوں ہو رہا ہے؟"

"آں ... گرمی ہے نا ....." وہ گڑبڑا کر رہ گئی تھی۔

حنا اس کا چہرہ غور سے دیکھ رہی تھی... زیبا نے مسکرا کر اپنی گھبراہٹ اور دلی کیفیت چھپانے کی کوشش کی۔ "کھانا کب کھایا جائے گا ___؟"

"میں دیکھتی ہوں جا کر، آپ کو آج بہت جلد بھوک لگ آئی زیبا اپیا ___" حنا اسے حیرت سے پوچھ رہی تھی۔

"بس یونہی ....." زیبا اتنا کہہ کر تیزی سے کمرے کے اندر گھس گئی۔

زیبا نے نہیں دیکھا تھا کہ حنا اُسے ابھی تک حیرت سے دیکھ رہی تھی یا نہیں ___ وہ تو اپنے بستر پر اوندھی گر کر دل کی بڑھتی ہوئی دھڑکنوں کو دبانے کی کوشش کر رہی تھی ..... یہ آج اسے کیا ہوتا جا رہا تھا...... اس کے جذبات اپنا رنگ کیوں بدل رہے تھے ..... امنگوں کا دھارا یکلخت اتنا تیز کیوں ہو گیا تھا۔ اور اُس کے تصوّرات کی دنیا میں یہ روپہلا، سنہرا، اور نیلا، پیلا رنگ کیوں برسنے لگا تھا ___ وہاں یہ دھنک کیسے چھا گئی تھی ... اور ..... اور .....؟

زیبا نے تکیہ اٹھا کر اپنے سینے سے بھینچ لیا ـــ

یہ اس کی سونی، ویران، اداس اور پھیکی خشک زندگی میں کون آ گیا تھا ..... کس نے آ کر اس کے دل کے تاروں کو چھو لیا تھا ..... کس نے اس سوئے ہوئے تاروں کو آ کر چھیڑ دیا تھا ...... یہ کیسا سنگیت تھا کہ زندگی گیت گانے لگی تھی گنگنانے لگی تھی .... اور اب جینے کو جی چاہنے لگا تھا ـــ؟

لیکن وہ تھا کون ـــ؟

کون تھا وہ ـــ؟

کون ... کون ـ کون ـــ زیبا کا سوچتے سوچتے دماغ چکرانے لگا ـــ وہ اس بھری دوپہر میں حویلی میں کیا کرنے آیا تھا ..... کیا اس کا دل اپنے بس میں کرنے آیا تھا ..... وہ کون جادوگر تھا ـــ؟؟

سوچتے سوچتے زیبا نے اپنی آنکھیں بند کر لیں ..... آنکھیں بند کر کے اپنے خیالوں کی جنت میں گشت کرنے لگی ..... جہاں رنگ و نور کی بارش ہو رہی تھی اور دل کے سازوں پر پیار کا نغمہ گونج رہا تھا ـــ!

پتہ نہیں کتنی دیر گذر گئی اور زیبا کو اس کی کوئی خبر نہیں ہوئی۔ وہ تو اپنے حسین تصورات کی وادیوں میں یوں گم تھی کہ اسے وقت کا احساس تک نہ ہو سکا ..... وہ تو اس وقت چونکی تھی جب اس کے

کانوں میں حنا کی آواز گونجنے لگی تھی۔

"زیبا آپا ۔۔۔ اُٹھئے ۔۔۔۔ کھانا لگ چکا ہے ۔۔۔۔ سب لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں جلدی چلئے ۔۔۔"

"آں ۔۔۔۔؟" زیبا نے چونک کر حنا کی جانب دیکھا تھا۔

"کہاں کھوئی ہوئی ہیں آپا ۔۔۔" حنا نے مسکرا کر کہا ۔۔ ۔۔ "معلوم ہوتا ہے آپ نے دن ہی میں خواب دیکھنا شروع کر دیا ہے ۔۔۔ چلئے کھانا لگ چکا ہے ۔۔۔"

زیبا نے اُٹھ کر جلدی جلدی گھڑونچی کے پاس جا کر دو چار چھینٹے اپنے منہ پر مارے اور دوپٹے کے پلّو سے چہرہ صاف کرتی ہوئی کھانے والے کمرے میں پہنچ گئی ۔۔۔

فرش پر دسترخوان بچھا ہوا تھا ۔۔۔ اور گرد گھر کے سارے افراد جمع تھے۔ امی جان، اس کے ابا حضور خان بہادر احمد ریاض، دیبا باجی، ہما، حنا اور وقار بھائی ۔۔۔۔ بشیر میاں کھانا کھلانے کیلئے مستعد تھے اور گلشن بوا باورچی خانے میں تھیں۔

زیبا کے بیٹھتے ہی کھانا شروع ہو گیا۔

کھانے کے دوران امی جان نے مٹر پلاؤ کھاتے ہوئے کہا ۔۔۔ "وقار بیٹے صبح سے کہاں غائب تھے، گلشن بوا کہہ رہی تھیں بغیر ناشتہ کئے نکل گئے ۔۔۔۔"

"جی امی جان، اپنی زمینوں کی طرف چلے گئے تھے ہم ۔۔۔۔"

وقار نے شامی کباب توڑتے ہوئے جواب دیا۔ "ہمارا گھر یہیں پڑے پڑے جی گھبرا اٹھا۔۔۔ ہم نے سوچا زمینوں کی طرف جا کر دیکھ بھال آئیں۔"

"اللہ رکھے زمینوں کی دیکھ بھال کرنے والے اشرف میاں کیا کسی سے کم ہیں۔۔۔۔" امی نے کہا۔ "تمہیں زمینوں کی فکر کرنے کی کیا ضرورت ہے اور ویسے بھی اب زمینیں ہمارے پاس رہ ہی کیا گئی ہیں جن کے لئے فکر کی جائے۔"

"اشرف بھائی واقعی بہت کام کرتے ہیں۔" وقار نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔۔۔۔ "بیچارے اسی چکر میں گھر بھی نہیں آپاتے، وہیں جنگلوں میں پڑے رہتے ہیں۔"

"سچ ہے مجھے تو نگوڑ مارے پر بے حد ترس آتا ہے۔" امی نے دکھ کی گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔ "بیچارے بہت ہی بد نصیب ہیں۔۔۔۔ اگر بچپن میں ان کے ماں باپ اللہ میاں کو پیارے نہ ہو گئے ہوتے تو ان کا یہ حال کیوں ہوتا ۔۔۔ پڑھ لکھ کر آدمی بن گئے ہوتے۔۔۔۔ آخر میں تمہارے ابا حضور نے بہت کوشش کی کہ وہ پڑھ لکھ جائیں لیکن تعلیم ان کی قسمت میں ہی نہیں تھی اس لئے بے بس ہو گئے۔"

"خیر اب بھی وہ بہت سے لوگوں سے اچھے ہیں۔"

ابا حضور نے پہلی بار زبان کھولی تھی ــ "ہمارے پاس رہتے ہوئے انہیں کس بات کی کمی ہے...... ہم نے انہیں کبھی غیر نہیں سمجھا، اپنے بچوں کی طرح محبت کی ہے اُن سے۔"

"وہ بھی بہت محبت اور پیار کرتے ہیں ہم لوگوں سے ــ" حنا کب چوکنے والی تھی جھٹ بول پڑی ــ "خدا کی قسم بہت پیارے ہیں اشرف بھائی ــ"

"بشیر میاں! یہ دال ختم ہو گئی لے آؤ ــ" امی جان نے ڈونگا اُٹھا کر ان کی طرف بڑھا دیا۔

"بہت اچھا ــ" بشیر میاں تیزی سے باورچی خانے کی طرف لپک گئے۔

چند لمحوں تک سب خاموشی سے کھانا کھاتے رہے ــ پھر یکا یک امی نے کچھ یاد کرتے ہوئے وقار کی طرف دیکھ کر پوچھا ــ "آج تمہارے پاس کون آیا تھا وقار میاں؟"

اور تب ناگاہ ــ زیبا کا دل زور زور سے دھڑک اُٹھا اور منہ کی طرف جاتا ہوا ہاتھ رک گیا۔

"جی وہ ــ ہمارا دوست آفاق آیا تھا ــ وقار نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آفاق آیا تھا ــ" خان بہادر احمد ریاض چونک کر بولے ــ "اس کی ملازمت کا کیا رہا، بھئی ذہین لڑکا ہے وہ ــ"

"جی ہاں ــــ لیکن آجکل ذہانت کون دیکھتا ہے ابا حضور ــــ"
ذوالفقار نے نہایت ادب کے ساتھ جواب دیا...." آج تک ملازمت
کے لئے بیچارہ بھٹک رہا ہے ...."

"یہ سُن کر بہت افسوس ہوا ہمیں ...." خان بہادر کہنے لگے
ــــ" کیا زمانہ آگیا ہے ملازمتوں کے لئے حقدار ترس رہے ہیں
لیکن نا اہل لوگوں کو رشوت اور سفارشوں کی بنا پر ملازمتیں
مل رہی ہیں ..... ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں کیا ہم نے
آزادی کا نعرہ اسی لئے لگایا تھا ... کیا اسی لئے ہم نے سامراج یا
اور انگریزوں کے خلاف جنگ چھیڑی تھی ..... جدوجہد آزادی
میں خون بہایا تھا ــــ اور قربانیاں پیش کی تھیں ..... ؟"

خان بہادر اور ذوالفقار دونوں باپ بیٹے باتیں کر رہے تھے
ــــ لیکن زیبا ــــ وہ اب کچھ نہیں سُن رہی تھی .... اس کے کانوں میں
تو بس ایک ہی جملہ گونج جا رہا تھا ــــ" آفاق آیا تھا ــــ آفاق آیا تھا...
بہت ذہین لڑکا ہے وہ ..... !"

دیپا نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ سے ریڈیو آن کر دیا۔
دوسرے ہی لمحے کمرے میں ایک گانے کی آواز گونجنے لگی۔

ہٹ کے مجبور مجھے، اُس نے بلایا ہوگا
زہر چپکے سے دوا جان کے کھایا ہوگا

دیپا کو ایک جھٹکا سا لگا ۔۔۔ اور وہ سر سے پیر تک کانپ گئی
جیسے کسی نے اُسے کند چھری سے ذبح کر ڈالا تھا۔۔۔۔ گیت
کے بول زہر کی بوند کی مانند اس کے کانوں میں ٹپک رہے
تھے ۔۔۔ اس کے اندر گھل مل رہے تھے۔۔۔۔ اور ان کا زہر اس کی
رگوں میں تیزی سے گردش کرتا ہوا اس کے پورے جسم میں سرائیت
کرتا جارہا تھا ۔۔۔

ہو کے مجبور مجھے اُس نے بلایا ہو گا
زہر چپکے سے دوا جان کے کھایا ہو گا

بے اختیار دیپا نے ریڈیو ایک جھٹکے کے ساتھ بند کر دیا اور کانوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی..... ہولے ہولے سسکنے لگی ـــ نہیں وہ یہ گیت نہیں سُن سکتی تھی ـــ نہیں برداشت کر سکتی تھی ـــ؟

ہاں ـــ ہاں وہ اُسے نہیں بھلا پائی تھی..... اُسے کبھی نہیں بھول سکتی تھی.... وہ تو اس کی روح تک میں رچ بس گیا تھا ـــ اُس کی سانسوں میں گھل مل گیا تھا... مجبور ہو کے بھی وہ اُسے نہیں بھلا پائی تھی ـــ!

کیا وہ اُسے بھلا سکتی تھی ـــ؟

کتنے دن، کتنے مہینے اور کتنے سال بیت گئے ہیں... لیکن اُس کی یاد دیپا کے دل سے نہیں نکلتی ـــ دیپا کو تو اب ہر چیز میں اسی کا پرتو.... اُسی کا جلوہ.... اور اُسی کا چہرہ دکھائی دیتا ہے ـــ ذرہ ذرہ اس جانے والے کی یاد سے معمور تھا.... دمک رہا تھا۔ دیپا کی اندھیری تاریک راتوں کی سیاہی میں جگنوؤں کی مانند جگمگا رہا تھا.... وہ فضاؤں میں، ہواؤں میں، حویلی کے کونے کونے میں.... ہر چھوٹی بڑی چیز میں چھپا ہوا تھا ـــ ہر گوشہ میں پوشیدہ تھا.....!

کہاں نہیں تھا وہ — ؟؟
پھر بھلا وہ اُسے کیسے بھول سکتی تھی ..... کیسے بھلا سکتی تھی
......اب اسی گیت نے اس کے سارے جسم میں زلزلے
کے جھٹکے بھر دیئے تھے — اس کی یاد دلادی تھی ... دیپا نے
اپنی آنکھیں بند کیں تو ناگاہ آنسو اُس کی پلکوں سے ٹوٹ کر
نیچے گر پڑے — ؟
وہ بستر پر لیٹ گئی ..... اور دوسرے ہی لمحے تصوّرات
کی پرچھائیاں اس کے ذہن کے اُفق پر اُبھرنے لگیں
.....بیتی ہوئی باتوں کو دہرانے لگیں۔
کوئی دروازے پر ہولے ہولے دستک دے رہا تھا!
"دیپا ..... دیپا ..... دیپا — ؟"
دوپہر کا کھانا کھا کر وہ یونہی اپنے کمرے میں آکر لیٹ
گئی تھی ..... لیکن اُسے کیا پتہ تھا کہ اس پر اتنی غنودگی طاری
ہوگی کہ آنکھ لگ جائے گی ..... وہ سو گئی تھی، گہری نیند میں
ڈوب گئی تھی ......
تب ہی کسی نے آکر دروازے پر دستک دینا شروع
کردی۔
"دیپا ..... دیپا ..... دیپا ....."
"کیا آفت ہے بھئی ....؟" وہ کروٹ بدل کر منمنائی

تھی ..... "چین سے سونے بھی نہیں دیتے ہیں ہیں ـــ"

"ارے ..... اُٹھو ..... یہ رات نہیں ہے دن ہے دن ـــ"

ایک مردانی خوشگوار آواز نے کہا اور ہاتھ پکڑ کر اُسے جھٹکا دیکر اُٹھا کے بیٹھا دیا۔

"کیا مصیبت ہے بھئی .....؟" وہ اپنی خمار آلود پلکیں پھڑپھڑا کر اُسے دیکھنے لگی تھی ..... اور تب اُسے پہچان کر اچھل پڑی تھی ـــ "ارے تم راشد! کب آئے ..... اور یہ کیا بدتمیزی ہے ـــ؟"

"صبر ـــ صبر ـــ صبر ـــ" وہ ہاتھ اُٹھا کر جلدی جلدی کہنے لگا ـــ "نمبروار سوالات کرو ویسے ہی جوابات دوں ـــ"

"میں پوچھتی ہوں کہ یہ کیا بدتمیزی ہے ـــ" وہ راشد کو گھورے جارہی تھی۔

"کونسی بدتمیزی ـــ؟"

"کسی کو سوتے سے یوں جگایا جاتا ہے ـــ؟"

راشد نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی اور پھر بولا ..... "اب سمجھ گیا غلطی میری تھی، مجھے پہلے ہی سمجھ لینا چاہیئے تھا ..... بہر حال اب تو دوبارہ سو جاؤ ..... اس بار میں تمہیں اسی طرح جگاؤں گا جس طرح تم چاہتی ہو ـــ"

"کس طرح ـــ؟" وہ برابر اُسے گھورے جارہی تھی۔

"جب تم سو رہی ہوگی! میں تمہارے پاس چپکے چپکے دبے

پاؤں آؤں گا....." راشد مزے سے کہنے لگا...." تمہارے سوتے ہوئے تبسم اور خوابیدہ چہرے کو بے حد پیار سے دیکھوں گا ...... تکتا رہوں گا.... تکتا رہوں گا اور پھر اس کے بعد آہستہ آہستہ تمہارے سیاہ بالوں پر اپنی انگلیوں سے کنگھی کروں گا.... تمہارے خوبصورت دمکتے ہوئے رخساروں پر ہولے سے چھوؤں گا......!"

"ارے۔ ارے ہوش میں تو ہو—" وہ بھنا کر رہ گئی تھی۔

"جب سے تمہیں دیکھا ہے تب سے ہوش کہاں ہے...؟"

"راشد!—"

"یس مادام—" وہ جھینک کر رہ گیا۔

"کیوں آئے ہو یہاں—؟" دیپا اُسے برابر گھورے جا رہی تھی۔

"تمہیں اپنا بنانے—!" وہ بہت ڈھٹائی سے بولا۔

"تم......تم...." وہ غصے سے بے قابو ہو گئی.... "نکل جاؤ میرے کمرے سے ابھی— اسی وقت...... شرم نہیں آتی تمہیں—؟"

"آتی ہے.... آتی ہے....!" وہ شرارت سے مسکرایا ...."لیکن شرم والی بات تو ہمارے بیاہ کے بعد....!"

"راشد—!" وہ ایکدم چیخ پڑی تھی۔

لیکن وہ بے غیرتی کے ساتھ ہنسے چلا جا رہا تھا۔

"پھر آ گئے ہمیں بنانے کے لئے .... دیپا نے غصیلی آواز میں کہا.... "جب منہ اٹھتا ہے بھاگے چلے آتے ہو.... کہیں اور ٹھکانہ نہیں ہے نہیں کیا"

"تمہارے دل .... اور تمہاری نرم گرم آغوش کے علاوہ مجھے اور کہاں پناہ مل سکتی ہے دیپا جی" وہ جھک کر صاف لفظوں میں کہنے لگا "اسی لئے رسی توڑ کر اسی طرف بھاگتا ہوں...... اب تو ذرا مسکرا دو"

لیکن وہ اسے برابر گھورتی رہی تھی۔

"اچھا ایک شعر سنو"

"نہیں"

"شعر میرا نہیں کسی شاعر کا ہے.... تو عرض کیا ہے۔

مجھے اپنی باہوں میں چھپا لیجئے جہاں پناہ
میری تلاش میں ہیں گردشیں زمانے کی

"تمہارا سر" وہ جل کر رہ گئی۔

"تمہارے ہی سامنے جھکا رہا ہے گا" حاضر جوابی میں تو ماہر تھا۔

"تم جلتے ہو یہاں سے یا بلاؤں کسی کو" وہ گھونسہ دکھاتے ہوئے بولی... "وقار میاں تمہارا حلیہ بگاڑ دیں گے"

"میں کسی خان سے نہیں ڈرتا ـــ" وہ لاپروائی سے بولا ـــ "ہاں، اگر تم میری خوشامد کرو، مجھ سے کوئی وعدہ کرو تو پھر تمہاری درخواست پر غور کیا جا سکتا ہے ـــ"

"میں اور تم سے خوشامد کروں گی ـــ"

"نہ کرو، ہم بھی یہاں سے ٹلنے والوں میں سے نہیں ہیں ـــ" وہ نہایت اطمینان سے اسی کے بستر پر جم کر بیٹھ گیا ـــ

"ہائے اللہ! تم تو اب سر پر ہی چڑھے آ رہے ہو راشد ـــ" وہ ہڑبڑا کر کھڑی ہو گئی "زینیا، ہما، حنا ـــ آنا تو دیکھو راشد مجھے تنگ کر رہے ہیں ـــ"

"رہنے دو ـــ رہنے دو، وہ سب سو رہی ہیں ـــ" راشد نے ہاتھ جھٹک کر کہا ـــ "دیکھو دیبا بی بی ـــ اگر تم مجھے ایک سوئیٹر بن کر دینے کا وعدہ کرو تو ـــ؟"

"سوئٹر تمہارے لئے ـــ؟" وہ اس کی بات کاٹ کر بولی تھی ـــ

"ہاں... تمہارے ہاتھوں کا بُنا ہوا سوئٹر پہن کر خود تمہارا ہی دل نہ لوٹ لیا تو کہنا ـــ" وہ شرارت سے کہہ رہا تھا "اگر تم اس بات کو نہیں مانتی ہو تو آزما کر دیکھ لو.... سوئیٹر بُن کر مجھے پہناؤ اور اپنا دل ہار جاؤ ـــ"

"راشد میاں ـــ" وہ ایک گہری سانس لے کر بولی تھی۔

"ہاں۔ دیکھا..... معلوم ہوتا ہے اس بات میں کافی دم ہے،
جب ہی تو پہلی بار تمہارا لہجہ کچھ نرم پڑتا معلوم ہو رہا ہے ـــ ذرا
اسی پیار سے ایک بار پھر تو پکارو ـــ!"

"میں تم سے کہہ رہی تھی کبھی آئینہ میں اپنی صورت بھی دیکھی
ہے جناب نے.... میں اور آپ کے لئے سویٹر بُنوں گی ـــ ذرا
کہیں جا کر منہ تو دھو لیجئے ـــ"

"تو تم میری یہ خواہش پوری نہیں کروگی ـــ"

"ہرگز نہیں ـــ"

"سویٹر نہیں بُنوگی میرے لئے ـــ"

"نہیں ـــ"

"سوچ لو ـــ"

"سوچ لیا ہے ـــ اور اس میں سوچنے والی بات ہی کیا ہے۔
میں کیوں بُنوں آپ کے لئے سویٹر ـــ کیوں ـــ؟"

"تمہارا دل کیا کہتا ہے دیپا بی بی ـــ؟"

"کچھ بھی نہیں ـــ"

"میرے لئے دھڑکتا بھی نہیں ـــ"

"نہیں ـــ"

"میرے لئے تمہارے دل میں کوئی جذبہ بھی نہیں ـــ"

"نہیں ـــ نہیں ـــ نہیں ـــ" وہ چیخ کر بولی۔ "آپ کیوں کان

کھائے جا رہے ہیں میرے۔ چلتے پھرتے نظر آیئں ۔"

"اگر کبھی نظر نہ آئیں تو۔۔۔؟"

"مٹھائی تقسیم کروں گی اس دن جب آپ آنا چھوڑیں گے۔"

"سچ کہہ رہی ہو ۔۔۔؟"

"اس میں جھوٹ بولنے کی کیا بات ہے ۔"

"اچھا۔۔۔ دیپا۔۔۔ دیکھو میری سگریٹ تو سلگا دو ۔" اس نے اپنے منہ میں سگریٹ داب کر ماچس اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اس کا چہرہ کچھ بجھ سا گیا تھا۔

"مجھے نشہ کرنے والے زہر لگتے ہیں ۔"

"سگریٹ بھی نہیں سلگاؤ گی ۔۔۔؟"

"میں کوئی آپ کی غلام ہوں ۔"

"اچھا۔۔۔۔" وہ دکھ کی گہری سانس لے کر بولا "اچھا تو پھر ۔۔۔ میں جا رہا ہوں ۔"

"بہت شوق سے ۔"

"میری یاد آئے گی ۔۔۔؟"

"نہیں ۔۔۔!"

"اگر یاد آئی تب ۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔ زبردستی کوئی یاد نہیں آتی ۔" وہ دھیرے سے طنزیہ انداز میں مسکرائی تھی ۔

"اچھا تو خدا حافظ ـــ"

"خدا حافظ ـــ"

اور تب وہ تیزی سے گھوم کر چلا گیا تھا..... چلا گیا تھا ـ کبھی نہ آنے کے لئے ـــ سچ مچ پھر وہ کبھی واپس نہیں آیا...... اس نے جو کہا تھا وہ ثابت کر دکھایا..... وہ اتنا ضدی اور ہٹ دھرم ہو سکتا ہے یہ وہ نہیں جانتی تھی ـــ اگر جانتی ہوتی تو راشد کو وہ اپنے ہاتھ سے نہ کھو دیتی ـــ

"راشد ـــ راشد ـــ راشد ـــ" دیپا دیوالوں کی مانند چیخنے لگی، اس پر جیسے وحشت سوار ہو گئی تھی۔ اُس نے اپنے بال نوچ ڈالے، کپڑے پھاڑ ڈالے..... اور ساتھ ہی ساتھ وہ مسلسل پاگلوں کی طرح چیختی چلاتی بھی رہی تھی......

ذرا سی دیر میں سارا گھر اُس کے کمرے میں جمع ہو گیا ـــ؟

سب حیران تھے کہ دیپا کو بیٹھے بٹھائے کیا ہو گیا ــــ ؟
حنا تو بے حد سہم گئی تھی ...... وہ اپنی آنکھیں پھاڑے
دیپا باجی کی طرف دیکھے جا رہی تھی جو دیوانوں کی مانند چیخے
جا رہی تھیں ...... انہیں اپنا کوئی ہوش نہیں تھا ......
جیسے ...... جیسے وہ پاگل ہو گئی تھیں ــــ ؟
زیبا اپیا اور ہما آپا ــــ دونوں دیپا باجی کو سنبھال
رہی تھیں لیکن وہ اُن سے سنبھالے نہ سنبھل رہی تھیں ــــ
امی جان کی حالت الگ غیر ہوئی جا رہی تھی ...... وہ کلیجہ پکڑے
بڑی بے بسی سے دیپا باجی کو گھورے جا رہی تھی۔
حنا نے جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالا اور بھاگ کر گئی

اور جلدی سے صراحی میں سے پانی انڈیل کر لے آئی، پھر اس نے گلاس کا سارا پانی دیپا باجی کے چہرے پر اچھال دیا۔ ایک لمحے کے لئے دیپا باجی چونکیں ۔۔۔ اور پھر ان کی مٹھیاں کس گئیں، بیٹھی بیٹھی گئیں اور لیٹی ہو کر وہ گہری گہری سانسیں لینے لگیں۔؟

"دیپا ۔۔۔ دیپا ۔۔" امی جان جھک کر انہیں آواز دینے لگیں۔

لیکن دیپا باجی بڑی گہری سانسیں لیتی رہی تھیں۔

حنا نے دیپا باجی کی نبض دیکھی ۔۔۔ پیشانی کو چھوا اور پھر کہنے لگی ۔۔ "میرا خیال ہے ڈاکٹر کو بلایا جائے ۔۔"

"لیکن وقار اور بشیر میاں دونوں میں سے کوئی بھی اس وقت گھر میں نہیں ہیں۔ ڈاکٹر کو کون لائے گا ۔۔؟"

"میں لاؤں گی ۔۔" حنا نے نہایت اطمینان سے جواب دیا۔

"تم ۔۔۔؟"

"امی جان میں لاؤں گی ۔۔" حنا نے جواب دیا اور پھر بڑی تیزی سے ڈیوڑھی کی طرف بڑھ گئی تھی۔

حویلی سے باہر نکل کر حنا نے سڑک سے ایک رکشہ پکڑا اور اسے لے کر وہ ڈاکٹر طارق کے کلینک کی طرف روانہ ہو گئی۔

ڈاکٹر طارق کا کلینک اس وقت مریضوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

خوبصورت گھنگھریالے بالوں والا گوراچٹا نوجوان ڈاکٹر طارق اپنے مریضوں کے درمیان گھرا ہوا بے حد مصروف تھا.......

حنا نے رکشے میں بیٹھے بیٹھے یہ سب کچھ دیکھا اور ماحول کا جائزہ لینے کے بعد رکشے سے نیچے اتری اور سیدھی جاکر ڈاکٹر طارق کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"ڈاکٹر صاحب! جلدی چلئے میری بہن کی طبیعت سخت خراب ہے"

ڈاکٹر طارق نے پیڈ پر نسخہ لکھتے لکھتے چونک کر اپنا سر اٹھایا اور اس لڑکی کی طرف دیکھا جو اسے لیجانے کے لئے کھڑی تھی۔

"کہاں چلنا ہے ؟"

"قریب ہی ہے ہماری حویلی" وہ جلدی سے کہنے لگی۔ "رکشہ سامنے کھڑا ہے جلدی چلئے، بہت طبیعت خراب ہے اُن کی"

"لیکن میرے پاس مریضوں کا اتنا رش ہے کہ...."

"ڈاکٹر صاحب پلیز !"

"اچھا — چند منٹ ٹھہریئے..... پھر چلوں گا آپ کے ساتھ —" ڈاکٹر طارق اپنے مریضوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

حنا تذبذب کی حالت میں کھڑی رہی۔ ایک ایک لمحہ اُس پر بھاری گذر رہا تھا، جلدی کی وجہ سے تو وہ اسے قریب ترین ڈاکٹر کے پاس آئی تھی، ورنہ ان کا فیملی ڈاکٹر رام پرساد گپتا تھے — اُن کا کلینک ذرا دور پڑتا تھا ورنہ وہ کبھی ادھر کا رخ نہ کرتی۔

ایک مریض کو نپٹا کر ڈاکٹر طارق دوسرے مریض کو دیکھنے لگا تو حنا سے برداشت نہ ہو سکا، جلدی سے بولی — "ڈاکٹر صاحب! میری بہن کی حالت بہت خراب ہے —!"

"بس ایک منٹ —" ڈاکٹر طارق نے جواب دیا اور پھر نہایت اطمینان سے مریض کو دیکھنے میں مصروف ہو گیا۔

حنا کو سخت غصہ آ رہا تھا — ادھر گھر میں اس کی دیبا باجی بے سدھ اور بے ہوش پڑی ہوئی تھیں اور ادھر یہ ڈاکٹر نہایت اطمینان سے اپنے مریض کو دیکھنے میں لگا ہوا تھا۔

خدا خدا کر کے ڈاکٹر طارق اپنے مریض سے فارغ ہوا اور تیسرے مریض کی مزاج پرسی کرنے لگا کہ حنا بھنا گئی — "ڈاکٹر صاحب! چلنا ہے تو چلیئے ورنہ میں جاتی ہوں —"

ڈاکٹر طارق نے چونک کر حنا کی جانب دیکھا.... پھر دھیرے سے مسکرا کر اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا، کوٹ پہنا اور اپنا بیگ اٹھا کر چلنے کیلئے تیار ہو گیا۔

"لائیے...... یہ بیگ مجھے دیدیجئے" حنا نے بیگ ڈاکٹر طارق کے ہاتھ سے لے لیا اور کلینک سے باہر نکل آئی۔

ڈاکٹر طارق اس کے پیچھے پیچھے باہر آیا تھا، باہر ڈاکٹر کی کار کھڑی ہوئی تھی۔

ڈاکٹر طارق نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے حنا کے لئے دروازہ کھول دیا تھا۔ ڈاکٹر کی کار سڑک پر تیزی سے بھاگنے لگی۔

راستے میں حنا تو دیبا باجی کے لئے فکر مند رہی اور انہی کے متعلق سوچتی رہی، لیکن ڈاکٹر طارق ـــ وہ خاموشی سے حنا کا جائزہ لیتا رہا تھا.... جانے کیا بات تھی کہ وہ اس اجنبی اور خوبصورت لڑکی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا تھا ـــ اسکی زندگی میں آنے والی یہ واحد لڑکی تھی جس نے اُسے بڑی بے اعتنائی سے ڈانٹ دیا تھا اور زبردستی اُسے فوراً ہی اپنی میز سے اٹھا لے جانے میں کامیاب ہو گئی تھی ـــ

اب وہ اس کے پاس گاڑی میں بیٹھی ہوئی تھی..... وہ اُس سے قریب قریب چپکی ہوئی تھی، لیکن اس کے باوجود

اُسے اس قربت کا احساس نہیں تھا ـــــ لیکن ڈاکٹر طارق پہلی بار کسی لڑکی کی قربت سے اپنے اندر ایک عجیب سی گدگدی، ایک عجیب سی لذت اور ایک عجیب سا احساس اپنے اندر پا رہا تھا ـــــ؟

تھوڑی دیر بعد گاڑی حویلی کے پھاٹک کے پاس پہنچ کر رک گئی۔

گلشن بوا ڈیوڑھی کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھیں۔ حنا اور ڈاکٹر کو دیکھتے ہی پردہ کرانے کے لئے اندر بھاگ گئیں۔

حنا ڈاکٹر طارق کا بیگ پکڑے ہوئے آگے آگے چلتی ہوئی ڈیوڑھی میں داخل ہوئی، اس کے پیچھے پیچھے ڈاکٹر طارق حویلی کے در و دیوار کو دیکھتا ہوا اندر داخل ہوا...... لمبا چوڑا آنگن پار کر کے وہ دالان میں سے گذرا اور اس کے بعد ایک کمرے میں داخل ہوا۔

زیبا اپیا اور رہما آپا پردے کے پیچھے چھپ گئی تھیں۔ ان کے ساتھ امی بھی تھیں۔ صرف دیبا باجی پر چادر ڈال دی گئی تھی۔

"آیئے ڈاکٹر صاحب ـــــ"

دیبا باجی کی وہ پہلے والی کیفیت تو اب نہیں تھی، لیکن ہوش انہیں ابھی تک نہیں تھا اور وہ آنکھیں بند کئے

بے سدھ پڑی ہوئی تھیں۔

چادر میں سے ہاتھ نکال کر ڈاکٹر طارق نے دیپا باجی کی نبض دیکھی، حنا اُسے تمام حال بتاتی رہی، ڈاکٹر طارق غور سے اور دلچسپی سے سنتا رہا، پھر اس نے ایک انجکشن تیار کرتے ہوئے کہا۔ "گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کسی صدمے کی وجہ سے دل پر چوٹ بیٹھی ہے اس وجہ سے دورہ پڑ گیا ہے۔۔۔ ٹھیک ہو جائیں گی۔۔۔"

"کوئی فکر کی بات تو نہیں۔۔۔"

"نہیں۔۔۔" ڈاکٹر طارق نے مسکرا کر جواب دیا اور پھر اطمینان سے دیپا باجی کے بازو میں انجکشن لگانے لگا۔۔۔۔ "بس ذرا احتیاط کی ضرورت ہے۔۔۔۔ انہیں زیادہ غم نہیں کرنا چاہیئے، اور نہ اداس اور رنجیدہ رہنا چاہیئے۔۔۔ جہاں تک ہو سکے خوش و خرم رہیں۔۔۔"

"بہت اچھا ڈاکٹر صاحب۔۔۔"

ڈاکٹر طارق نے انجکشن لگا کر اپنا بیگ بند کیا اور اس کے بعد ایک کاغذ پر قلم نکال کر دوا لکھتے ہوئے بولا۔۔۔ "اور یہ دوا میرے کلینک سے منگوا لیجئے گا۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔۔" حنا نے جلدی سے دوا کا پرچہ سنبھال لیا اور اس کا بیگ اُٹھانے لگی۔

"آپ کی یہ حویلی بہت خوبصورت ہے۔۔۔"

"جی ۔۔۔؟" حنا چونک کر ڈاکٹر طارق کو گھورنے لگی تھی...

..."جی ہاں، اسے ہمارے دادا جان نے بنوایا تھا۔"

"کیا آپ مجھے اس کی سیر نہیں کرائیں گی ۔۔۔؟"

حنا کو ایک بار پھر حیرت ہوئی تھی ۔۔۔ اس نے گھور کر ڈاکٹر طارق کو یوں دیکھا تھا جیسے اُسے اُس کی صحیح الدماغی پر شبہ ہو..... لیکن وہ تو بہت ہی اپنائیت سے مسکرا رہا تھا ..... اُس کے چہرے سے شرافت ٹپک رہی تھی۔

"جی ہاں کیوں نہیں۔"

"تو پھر چلئے۔"

حنا نے بیگ وہیں رکھ دیا اور نہایت اطمینان سے ڈاکٹر طارق کو لے کر کمرے سے باہر نکل آئی اور اُسے تمام حویلی کی سیر مزے سے کراتی پھری ۔۔۔ اس نے ڈاکٹر طارق کو ایک ایک کمرہ دکھایا تھا اپنے بزرگوں کی تصاویر اور نایاب اور قیمتی چیزیں بھی دکھائی تھیں۔

ڈاکٹر طارق ہر ایک چیز کی موقع موقع سے تعریف بھی کرتا جا رہا تھا۔

جب حنا اُسے ساری حویلی کی سیر کرا چکی تو نہایت سنجیدگی سے بولی "ڈاکٹر صاحب ایک بات پوچھوں ۔۔۔؟"

"شوق سے ---؟"

"آپ نے حویلی گھومنے میں اتنا وقت برباد کیا لیکن آپ
کیا آپ کو اپنے مریضوں کا خیال نہیں ہے --- ورنہ آپ انہیں
چھوڑ کر آنے پر تیار نہیں ہو رہے تھے ---"

"اوہ --- مجھے اس کا خیال ہی نہیں رہا تھا ---"
ڈاکٹر طارق کے چہرے پر سرخی دوڑ گئی .... "آپ نے یاد
دلایا اس کا شکریہ ---"

"میں آپ کا بیگ لے آؤں --- ؟"

"ضرور ---"

حنا واپس گئی اور اس کا بیگ اٹھا لائی - جب وہ واپس
آئی تو ڈاکٹر طارق نے اُسے دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا "اب
ایک بات میں پوچھوں --- ؟"

"پوچھیے - پوچھیے --- ؟"

"کیا آپ کو کلینک میں میرے رویئے سے تکلیف پہنچی
تھی --- ؟"

"کیا وہ تکلیف نہیں تھا --- ؟"

"بے شک تھا - لیکن آپ نے میری مجبوری کو نہیں سمجھا
--- "وہ ہنس کر کہنے لگا" اگر میں اپنے مریضوں کو یونہی اسی
طرح چھوڑ کر آپ کے ساتھ آجاتا تو میرے مریض کیا کہتے -

اُن کی تسلی بھی تو کرنا تھی مجھے ـــــ"

"آپ کی فیس ـــــ؟" حنا لاپروائی سے بولی تھی۔

"جب آپ دوا منگوائیں گی فیس بھی وصول کر لی جائیگی ـــــ اچھا خدا حافظ ـــــ" ڈاکٹر طارق نے مسکرا کر کہا اور گھوم کر تیز تیز قدم بڑھاتا گاڑی کی طرف چلا گیا۔

جب ڈاکٹر طارق کار میں سوار ہو گیا تو حنا شانے جھٹک کر مسکرائی اور پھر گھوم کر ڈیوڑھی میں گھس گئی۔

حنا جب واپس کمرے میں پہنچی تو دیبا باجی کو ہوش آچکا تھا اور امی جان اُن سے باتیں کر رہی تھیں۔ زیبا آپا اور رعنا آپا بھی ان باتوں میں شامل تھیں ... حنا نے غور سے دیبا باجی کی طرف دیکھا ان کا چہرہ پھیکا اور سپید ہو رہا تھا ـــــ وہ بھی ان کے پاس جا کر بیٹھ گئی ـــــ!
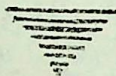
وقار نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔

اس کا عربی النسل مشکی گھوڑا زور سے ہنہنایا اور زمین پر دھیرے دھیرے ایک گول سا چکر لگا کر سرپٹ بھاگنے لگا۔

سپید قمیض اور سپید ہی پتلون میں وقار گھوڑے پر سوار کسی شہزادے کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے خوبصورت اور کالی گہری آنکھوں سے بے پناہ عزم مترشح تھا... خود اعتمادی اس کے اندر جیسے کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

چاروں طرف ملگجا ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کہرے کی وجہ سے ایک دھندلکا سا چھا رہا تھا اور ہواؤں میں نمی بسی ہوئی تھی.... صبح ہونے میں ابھی دیر تھی، لیکن وقار منہ اندھیرے ہی

تیار ہو کر حویلی سے نکل کھڑا ہوا تھا.... اس کے دل میں ہزاروں
ارمان مچل رہے تھے..... جذبات کسی شوریدہ سر ندی کی مانند
اُبل رہے تھے، سر ٹکرا ٹکرا کر باہر نکلنے کے لئے بیتاب ہو تے
جا رہے تھے..... اور دیوانہ وار کسی کی چاہ میں اُڑا چلا جا
رہا تھا۔۔۔؟

کہرے کی دھواں دھواں سی فضا میں اس کا گھوڑا
یوں بھاگا چلا جا رہا تھا جیسے وہ بادلوں میں پرواز کر رہا
ہو..... لیکن اس سے زیادہ تیز اُڑا چلا جا رہا تھا وقار کا دل
اور دماغ..... وہ گنگا کے کنارے اس سے پہلے ہی پہنچ
جانا چاہتا تھا..... اپنی خوابوں کی شہزادی کی ایک جھلک
دیکھنے کے لئے وہ اُتنا ؤلا ہوا جا رہا تھا۔۔۔!

یہ کیا تھا۔۔۔ یہ کون سا جذبہ تھا جس نے اُسے اتنی صبح
اٹھنے اور نکل پڑنے پر مجبور کر دیا تھا۔۔۔ یہ کونسی طاقت
تھی جس کے تحت وہ کھنچا چلا جا رہا تھا۔۔۔ کون تھا جو اُسے
آواز دے کر بلا رہا تھا۔۔۔ پکار رہا تھا۔۔۔!

یہ صدائیں کون دے رہا تھا۔۔۔؟

وقار اپنے دل میں اس منظر کو اُجاگر کرنے کی کوشش کرنے
لگا جب اس نے پہلی بار اُس خوبصورت، معصوم اور پاکیزہ
سی لڑکی کو دیکھا تھا۔۔۔ کوئی آسمانی حور دکھائی دے رہی

تھی وہ..... اور جب یاد کا منظر اس کے تصورات کے جھروکے میں کسی تصویر کی مانند آکر وقت بیٹھ گیا تو بے اختیار اس کے سینے سے ایک آہ نکل گئی ـــــ!

یہ منظر اس کے دل پہ نقش ہو چکا تھا ـــــ کتنا پیارا، حسین اور مقدس تھا یہ منظر۔ اس منظر کے سامنے اب وہ صبح و شام چراغ روشن کرتا تھا ـــــ یادوں کے دیپ جلاتا تھا ـــــ محبت محبت و عقیدت کے پھول نچھاور کرتا تھا ـــــ

وقار نے ایک بار پھر گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور اُسے اور تیز بھاگنے کے لئے مجبور کرنے لگا ـــــ

ہوا سے باتیں کرتا ہوا گھوڑا تھوڑی ہی دیر میں گنگا کے ساحل پر بھاگنے لگا۔ تیز اور ٹھنڈی ہواؤں میں کہرے سے لپٹی اور ڈھکی ہوئی فضاؤں میں ملگجے ملگجے اندھیروں میں..... صبح صادق کے دھندلکوں میں وہ کسی بے چین روح کی مانند بھٹکنے لگا...... بے چین اور مضطرب موجوں کی طرح اپنے ساحل کے لئے تڑپنے لگا ـــــ!

دور دور تک کوئی نہیں تھا ـــــ گنگا کا کنارا سونا اور ویران پڑا ہوا تھا..... گنگا کا پانی دھیمی اور پرسکون رفتار سے بہہ رہا تھا..... وقار نے اسی جگہ گھوڑا روکا جہاں اس کی اس لڑکی سے ملاقات ہوئی تھی۔ اور پھر گھوڑے سے نیچے اتر آیا۔ گھوڑے

کو اُس نے یونہی چھوڑ دیا اور خود وہیں نرم نرم ٹھنڈی ریت میں بیٹھ گیا۔

دوسرے ہی لمحے وہ اپنی سگریٹ سلگا رہا تھا۔

دھوئیں کے مرغولے چھوڑتا ہوا وہ دیر تک خیالوں میں ڈوبا رہا۔ نہ جانے کتنی دیر تک حسین اور خوبصورت تاج محل تعمیر کرتا رہا — رنگین اور خوشنما خواب دیکھتا رہا.... پھر وہ کسی کے سبک، ملائم اور کومل پیروں کی آہٹ پا کر چونکا — چونک کر اُس نے اپنی گردن گھمائی اور آنے والے پر نظر جما دیں۔

اب اس کے سامنے شبانہ اپنی تمام تر رعنائیوں اور جلوں سمیت کھڑی ہوئی تھی۔

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہ گئے تھے۔

دھواں دھواں سی فضاؤں میں، کہرے کی ملگجی باریک چادر میں شرارہ اور جمپر پہنے وہ وقار کو کوئی آسمانی روح ہی دکھائی دے رہی تھی — اس کے بالوں کی لٹیں ہواؤں میں لہرا رہی تھیں — اور کہیں دور آسمان سے سپیدی پھوٹنے لگی تھی —!

صبح نمودار ہو رہی تھی۔

اور تب اس لمحے وقار نے سوچا — ہاں یہ لڑکی اس کی زندگی میں ایک صبح بن کر ہی آئی ہے.... ظلمات کے کالے

سائے اس صبح کی نئی روشنی میں ماند پڑ گئے ہیں اور اس کی کرنوں نے چھائے ہوئے گہرے اندھیاروں کو نگل لیا ۔۔۔!

ہاں ۔۔۔ شبانہ اس کی زندگی کے افق پر نمودار ہونے والی ایک حسین صبح تھی ۔۔!

دونوں چپ چاپ خاموشی سے ایک دوسرے کو دیکھے جا رہے تھے ۔۔۔ ہواؤں میں دھیما دھیما سا ساز گھلا ہوا تھا اور گنگا کی لہروں میں ان کے دلوں کی دھڑکنوں کا راگ سنائی دے رہا تھا ۔۔۔ ذرّہ ذرّہ صندل اور مشک کی طرح مہک اٹھا تھا ۔۔۔

وقار دھیرے دھیرے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا، ایک انجانی طاقت کے زیر تحت آہستہ آہستہ شبانہ کی طرف بڑھا اور اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔

"تسلیم ۔۔۔!" شبانہ نے ماتھے پہ ہاتھ لیجا کر قدرے جھکتے ہوئے سلام کیا تھا۔

"صبح بخیر شبانہ ۔۔۔ صبح بخیر ۔۔۔!"

"آپ .... آج بہت پہلے آگئے ...."

"ہاں .... ہم آج منہ اندھیرے نکل آئے تھے ۔" وقار گہری سانس لیتے ہوئے بولا "رات کو ٹھیک طرح سے نیند بھی نہیں آئی تھی ۔۔۔"

"نیند نہیں آئی تھی ــــ؟"

"ہاں، شبانہ، نیند نہیں آئی تھی، ہم نے جس روز سے تمہیں دیکھا ہے ہماری آنکھوں سے نیند کی دیوی روٹھ گئی ہے ــ"

"یہ تو کوئی اچھی خبر نہیں ہے ــ"

"ہے نا ــــ" وہ خوش ہو کر جلدی سے بولا ــ "تو پھر تم ہی اس کا علاج بتا دو ہمیں ــــ شبانہ، ہم بے کل اور بے چین کیوں ہیں ــ کیوں ہم بے قرار رہنے لگے ہیں، حویلی کے اندر اور حویلی کے باہر ہمارا دل کیوں نہیں لگتا ــــ کیوں نہیں لگتا ــــ"

"یہ تو بیماری کی علامات ہیں سب ــــ" وہ شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"یہ کونسی بیماری ہے شبانہ ــــ"

"عشق ــــ!" شبانہ نے آہستہ سے جواب دیکر اپنا سر نیچے جھکا لیا تھا۔

"عشق ــــ یعنی محبت ــــ" وقار بھی دھیرے سے مسکرایا ــ "شبانہ..... کیا یہ بیماری تمہیں بھی ہو گئی ہے ــــ؟"

شبانہ کا سر اور نیچے جھک گیا تھا۔

بولو شبانہ ــــ بولو ــــ جواب دو ہمیں، تمہاری خاموشی سے ہمارا سینہ پھٹا جا رہا ہے ــــ کوئی ہمارا دم گھونٹ

رہا ہے ـــ"

شبانہ نے آہستہ آہستہ اپنی پلکیں اوپر اٹھائی تھیں، اس نے کچھ کہنا چاہا، لیکن آواز اس کے حلق سے نہ نکلی، صرف ہونٹ پھڑپھڑا کر رہ گئے۔

وقار اس کے آتشیں رخساروں کی لالی اور اسکی پلکوں کی ریشمی جھالروں کو دیکھتا رہ گیا ـــ بھیگے بھیگے گلابی ہونٹوں کی رس بھری قاشوں کو تاکتا رہ گیا.... شبانہ کچھ کہنا چاہتی تھی، لیکن کہہ نہیں سکتی تھی۔

"شبانہ ـــ؟"

"جی ـــ!"

"کیا.... کیا تم ہمارا ساتھ دو گی.... زندگی کے لمبے راستے پر تم ہمارے ساتھ قدم سے قدم ملا کر بڑھ سکو گی ـــ؟"

"آپ...." وہ بمشکل تمام بولی.... "اس کنیز کو کانٹوں پر کیوں لیا گھسیٹ رہے ہیں.... میرے لئے تو یہ زندگی کی انمول نعمت ہو گی.... میرا یہ نصیب کہ زندگی کی کڑی دھوپ میں آپ کی باہوں کے سائے میں چل سکوں.... میں اپنی قسمت پر جتنا بھی ناز کروں کم ہے.... لیکن ـــ؟"

"لیکن کیا ـــ؟"

"لیکن مجھے ڈر لگتا ہے ـــ بہت ہول آتا ہے.... کہیں

یہ خواب نہ ہو..... کہیں یہ ملاقاتیں ہمیں ساری زندگی نہ رلاتی رہیں..... ہمیں ایک دوسرے سے جُدا نہ کر دیں..... کہیں ہم کوئی غلطی تو نہیں کر رہے ہیں ——؟"

"کیا تمہیں ہم پر بھروسہ نہیں شبانہ ——"

"ہے —— اپنے سے بھی زیادہ..... لیکن پھر بھی.....؟"

"نہیں شبانہ نہیں ——" وقار نے بہت سنجیدگی اور متانت سے جواب دیا۔ "ہمارے ہوتے ہوئے تمہیں کوئی خوف اپنے دل میں نہ لانا چاہیئے..... جیسے ہم تمہارے لئے ہی پیدا ہوئے تھے اور تم نے ہمارے واسطے جنم لیا تھا ——"

"لیکن میں آپکو اپنے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہوں ——"

"کس بارے میں ——؟"

"اپنے خاندان اور اپنے متعلق میں.....؟"

"شبانہ ——" وقار نے جلدی سے اس کی بات کاٹ دی —— "ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا —— پسند کیا اور —— چاہا —— بس اسکے علاوہ ہمیں اور کیا چاہیئے..... ہمیں تم سے کچھ بھی نہیں پوچھنا ہے..... خاندانی شرافت اور عظمت ہم تمہارے چہرے میں دیکھ رہے ہیں ہم تمہارے لہجے میں اعلیٰ ظرفی اور نسلی مرتبہ و جلال صاف پڑھ رہے ہیں..... تم جو کچھ بھی ہو ہماری ہو ——"

"لیکن آپ سمجھتے کیوں نہیں..... بے شک ہم اعلیٰ خاندان

ہیں، عزت و آبرو بھی رکھتے ہیں ہم لوگ ... لیکن وہ ....."

"نہیں شبانہ .... نہیں ہمیں اس سے زیادہ اور کچھ نہیں سننا ہے ـــ" وقار نے اس کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا ..... "جو کچھ ہم نے جان لیا وہ جان لیا ..... اس سے زیادہ جاننے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے ـــ"

"لیکن ......؟"

"اب ہٹاؤ بھی یہ موضوع ـــ چلو ..... وہ دیکھو ... سامنے سورج نکل رہا ہے ـــ یہ ہماری زندگی کا نیا سورج ہے ـــ" وقار نے شبانہ کا ہاتھ پکڑ کر دھیرے سے اُسے اُٹھا لیا "وہ دیکھو ایک نئی صبح طلوع ہو رہی ہے ـــ"

شبانہ آہستہ سے وقار کے قریب ہو کر طلوع ہوتے ہوئے سورج کو غور سے دیکھنے لگی، ہوا سے اس کے بال اس کے خوبصورت چہرے پر بکھر بکھر جا رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے قریب کھڑے ہوئے سورج کو دیکھ رہے تھے اور جذبات کا ایک سورج اُن کے سینوں میں بھی آب و تاب کے ساتھ جگمگا رہا تھا ـــ جس کی حدت سے اس کے چہرے سلگنے لگے تھے ..... کتنی دیر، کتنے وقت گذر گئے انہیں اس کا کوئی احساس نہ ہوا ..... وہ کھڑے رہے دلوں میں ہزاروں امنڈتے طوفان لئے ..... آنکھوں میں سنہرے خواب لئے ..... ذہنوں میں ایک خوشگوار اور پیاری زندگی کا

تصور لئے ہوئے ـــــ

پھر دفعتاً وقار چونکا، اُس نے آہستہ سے شبانہ کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔ "گھوڑے کی سواری کرو گی ـــــ؟"

"لیکن مجھے تو ڈر لگتا ہے ـــــ؟"

"ڈر لگتا ہے ـــــ" وقار ہنسنے لگا تھا ... "اچھا ہمارے ساتھ تو بیٹھو گی گھوڑے پر ـــ"

"نہیں ـــ"

"آؤ تو ... دیکھو کتنا لطف آئے گا ـــ" وہ ضد کرنے لگا۔

"ہائے ..... اگر گر پڑے تو .....؟"

"نہیں گرو گی ..... ہم سنبھال لیں گے نہیں ـــ چلو آؤ ـــ"

وقار اُس کا ہاتھ تھام کر اپنے گھوڑے کے پاس اُسے لایا۔ اور پھر اُس کی کمر میں اپنے دونوں ہاتھ ڈال کر اُس نے شبانہ کو یوں اُٹھایا جیسے وہ کوئی ہلکی پھلکی گڑیا رہی ہو ـــ اور دوسرے ہی لمحے وہ گھوڑے کی پیٹھ پر تھی ـــ!

شبانہ کے منہ سے ایک ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

وقار خوب جی کھول کر ہنسنے لگا تھا ـــ پھر بولا۔ "اچھا اب گھوڑے کی لگام تھام لو ـــ"

شبانہ نے ڈرتے ڈرتے گھوڑے کی باگ پکڑ لی۔

"بولو ـــ تم خود تنہا گھوڑے پر سیر کرو گی یا ہم بھی تمہارے

ساتھ بیٹھ جائیں——"

"اکیلے تو میں ہرگز نہیں بیٹھوں گی——"

وقار پھر مسکرایا اور اچھل کر شبانہ کے پیچھے گھوڑے پر سوار ہو گیا، اشارہ پاتے ہی گھوڑا گنگا کے کنارے نرم نرم ریت پر بھاگنے لگا.... شبانہ کا دل ہولے ہولے دھڑکنے لگا.... لیکن اس خوف میں بھی ایک لذت سی تھی——!

شبانہ کے ارد گرد وقار کے دونوں بازو کسے ہوئے تھے اور اس نے آگے لگام پکڑ رکھی تھی اور دونوں کے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھوں میں دبے ہوئے تھے.... گھوڑا یکساں چال سے بھاگ رہا تھا اور شبانہ کے بال جھٹکا کھا کر لہرا جاتے تھے——!

جسموں کی قربت سے دونوں کے دلوں کی دھڑکنیں تیز ہو گئی تھیں.... شوخ جذبات کے دھارے تیز ہو گئے تھے اور سارے جسم میں ہولے ہولے سنسناہٹ سی دوڑ گئی تھی.... وقار کے نتھنوں میں شبانہ کے بالوں کی بھینی بھینی خوشبو پہنچ کر اسے دیوانہ اور بے خود بنائے دے رہی تھی—— بار بار جھٹکا کھا کر اس کے ہونٹ شبانہ کے بالوں سے چھو چھو جاتے تھے——!

"شبانہ....." وقار نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

"اوں ۔۔۔ ؟"

"کیسا لگ رہا ہے تمہیں ۔۔۔ ؟"

"بہت اچھا ... کسی خوبصورت خواب کی طرح ۔۔ یہ ہماری زندگی کا انوکھا سفر ہے ..... جیسے گھوڑا زمین پر نہیں آسمانوں میں اڑ رہا ہے ... بادلوں میں پرواز کر رہا ہے ..... جی چاہتا ہے یہ سفر کبھی ختم نہ ہو ..... کبھی ختم نہ ہو اور ہم ..... ہم دونوں اسی طرح ستاروں کے چھاؤں کی سیر کرتے رہیں ۔۔۔ کہکشاں کی وادی میں یونہی گھومتے پھریں اور ... اور بہاریں ہمارے اوپر پھول برساتی رہیں ۔۔ کیا یہ خواب سچ ہو سکتا ہے ..... کہیں سپنا ٹوٹ تو نہیں جائے گا ۔۔۔"

"نہیں ۔۔ نہیں ۔۔ نہیں ۔۔"

"کیا یہ خواب پورا ہو سکتا ہے ۔۔۔ ؟"

"ہاں ۔۔۔ پورا ہو چکا ہے ... تم ہماری ہو .... ہماری زندگی ..... اب تمہیں ہم سے دنیا کی کوئی طاقت جدا نہیں کر سکتی ہے۔"

"کیسے ۔۔۔ ؟"

"ہم ایک ہو جائیں گے ۔۔" وقار نے جذباتی لہجے میں جواب دیا۔ "ایک ہو جائیں گے ۔ ہم تم سے شادی کریں گے شبانہ، ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اپنا بنا لیں گے تمہیں ۔۔"

"کب ۔۔۔ ؟"

"بہت جلد ..... بہت جلد ـــــ" وقار نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا ۔"بس ہمیں کوئی مناسب موقع مل جائے پھر تم ہمارے گھر کی بہو بیگم بن جاؤ گی ـــــ"

"کہیں آپ کا وعدہ ..... وعدہ تو نہیں ـــــ ؟"

"یہ وعدہ نہیں ـــــ عہد ہے ہمارا ـــــ قول دیا ہے تمہیں .... اب ہماری جان تو جا سکتی ہے ، لیکن ہمارا یہ عہد نہیں ٹوٹ سکتا ـــــ"

"اوہ .... وقار .... کیا ہم نے منزل پالی ہے ـــــ" شبانہ نے گہری سانس لے کر اپنی پشت وقار کے سینے سے لگا دی تھی .... وہ اس وقت بے حد جذباتی ہو رہی تھی ۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں اور ہولے ہولے لرز رہی تھی ۔

وقار نے اسے اپنی مضبوط بانہوں میں جکڑ لیا تھا ۔
گھوڑا دونوں کو لئے گنگا کے کنارے دُلکی چال سے بھاگتا رہا ـــــ بھاگتا رہا ـــــ !

حنا نے ایک جھپٹا مارا اور ہما کے ہاتھ سے سیب چھین کر بھاگ کھڑی ہو — !

ہما ایک لمحے کے لئے ہکا بکا کھڑی رہ گئی تھی۔

پھر دوسرے ہی لمحے ہما بھی حنا کے پیچھے بھاگ کھڑی ہوئی تھی..... لیکن بھلا حنا اس کے ہاتھ آنے والی کہاں تھی ؟۔

حنا جانے کس کونے میں جا کر چھپ گئی تھی۔

ہما بڑبڑاتی ہوئی واپس ہونے لگی تو راستے میں امی حضور مل گئیں۔

"کیا بات ہے ہما..... یہ بھاگ دوڑ کیوں مچی ہوئی تھی —— ؟"

"دیکھئے امی حضور..... وہ حنا کی بچی..... میرا سیدیب چھین کر بھاگ گئی ہے" ہما نے بڑبڑاتے ہوئے کہا "وہ ہمیشہ دوسروں کی چیزوں پر نظر رکھا کرتی ہے"

"میں کیا کروں، میں تو اس لڑکی سے تنگ آ گئی ہوں" امی حضور نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "دن بدن سر چڑھتی جا رہی ہے..... اپنے باپ سے جا کر کہو..... وہی سنیں گے اپنی لاڈلی بیٹی کی کرتوت..... یہ سب کچھ کیا دھرا انہی کا ہے"

"کیا بات ہے بھئی..... کیوں چیخ رہی ہو بیگم" خان بہادر ریاض احمد دیوان خانے سے باہر نکلتے ہوئے بولے تھے..... "کیا ہوا ہے پھر لڑنا شروع کر دیا ہے آپ نے ہے؟"

"لو اور سنو" امی حضور نے ہاتھ نچا کر کہا "کیا مجھے آپ نے دیوانہ اور پاگل سمجھا ہے جو اب میں ہوا سے بھی لڑتی پھروں گی..... کیا میرا دماغ خراب ہوا ہے..... ایں؟"

"یہ میں نے کب کہا بیگم..... میں تو پوچھ رہا تھا"

"پوچھ رہا تھا" ان کی بیوی نے ان کی نقل اتارتے ہوئے ہاتھ نچائے تھے..... "سمجھتے بوجھتے کچھ ہیں نہیں بس اپنی ہی ہانکنے لگتے ہیں"

"یہ ہوا کیا ہے بھئی جو یہ ہنگامہ مچ رہا ہے ــــ؟"

"وہ آپ کی لاڈلی۔۔۔۔ جو کچھ نہ کرے تھوڑا ہے، حد ہوتی ہے بدتمیزی کی ــــ؟"

"شاید تم حنا کے بارے میں کچھ کہہ رہی ہو ــــ؟"

"جی ــ وہی آپ کی چہیتی ــــ"

"کیا کیا ہے اُس نے ــــ؟" خان بہادر ریاض احمد چونک پڑے تھے۔

"یہ سب کچھ آپ ہی کا کیا دھرا ہے ــ" بیگم نے جھنجھلاتے ہوئے کہا ــ "لڑکی اتنی سیانی ہو گئی لیکن عقل کے پیچھے لٹھ لئے گھومتی ہے ..... کبھی اس کو ستاتی ہے تو کبھی اُس سے الجھتی ہے..... قسم سے ناک میں دم کر رکھا ہے مُردار نے ..... اور باپ ہیں کہ فرماتے ہیں پڑھ رہی ہے ..... کچھ شریر ہے ــ"

خان بہادر ریاض احمد نے ایک گہری سانس لے کر اپنا چشمہ اُتارا اور پھر کہنے لگے ــ "آپ فضول کی باتیں ہی کئے جائیں گی یا کچھ بتائیں گی بھی ــ؟"

"لو اور سنو ..... یہ فضول کی باتیں ہیں ــ!"

"نہیں ..... بہت قاعدے کی باتیں ہیں ــ" خان بہادر نے جل کر جواب دیا تھا ــ "آخر بتاتی کیوں نہیں، کیا کیا ہے حنا نے ــــ؟"

"اس نے ہما کا سیب چھین لیا اور بھاگ گئی ہے"
اچانک خان بہادر نے ایک زبردست قہقہہ لگایا اور پھر ہنستے ہی چلے گئے ---؟
امی حضور نے حیرت سے اپنے شوہر کی جانب آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور پھر بھناتے ہوئے بولیں --- "اے میں پوچھتی ہوں اس میں ہنسنے اور قہقہے لگانے کی کونسی بات ہے ---؟"
"میں تو اس لئے ہنس رہا تھا کہ آپ نے تو رائی کا پہاڑ بنا دیا تھا ---" خان بہادر ہنستے ہوئے بولے "بھلا اتنی سی بات اور اس کے لئے اتنا بڑا ہنگامہ .....؟"
"تو یہ کوئی بات نہیں ہوئی آپ کے لئے ---؟"
"اس میں اتنا شور مچانے والی بات کونسی تھی بیگم ..... وہ بچی ہے اگر سیب چھین بھی لیا تھا تو کونسی قیامت آگئی آپ تو خواہ مخواہ .....؟"
"آپ تو سٹھیا گئے ہیں، یہ کوئی بات نہیں ہے ..... اتنی بدتمیزی پر آپ خوش ہو رہے ہیں ....؟"
"یہ بدتمیزی نہیں شرارت ہے بھئی .....؟"
"خوب شرارت ہے ---"
"ارے جو چھین کر کھانے میں مزا ہے وہ ایسے تھوڑی آتا ہے ---" اچانک چھت کے اوپر سے حنا نے سر نکال کر کہا

ننھا "کیوں ابا حضور ـــــ؟"

"اچھا تم وہاں ہو شیطان کی خالہ ـــــ" امی حضور جھاڑو لے کر زینے کی طرف لپکی تھیں۔

"ہائیں ..... ہائیں کیا کرتی ہو بیگم ـــــ" خان بہادر نے جلدی سے کہا "کیا اُسے مارو گی اب ـــــ"

"نہیں سر پر بٹھاؤں گی ـــــ"

"چلو غصہ چھوڑ .... چائے وائے بلوا دو ـــــ"

"میں کہتی ہوں کہیں یہ آپ کی ناک نہ کٹا ڈالے ایکدن .... پھر سر پکڑ کر رونا ـــــ"

"سب تو کھٹا تھا امی حضور ـــــ" اوپر سے حنا نے ہانک لگائی تھی۔

"نیچے اُتر چڑیل، پھر تجھے بتاؤں گی ـــــ"

"حنا ـ خان بہادر نے منہ اُٹھا کر آواز دی ـــــ "تم بہت پریشان کرتی ہو سب کو ...... اپنی امی حضور کو بھی بہت ستانے لگی ہو اب ...... تمہارے کان کھینچنا پڑیں گے ایک دن ـــــ"

"اور وہ دن کبھی نہیں آئے گا ـــــ" امی حضور فوراً بول پڑیں۔

"آپ خاموش رہیے .... حنا بیٹے چلیئے نیچے آئیے

اور اپنی امی سے معافی مانگئے .... اور ہما سے بھی جس کا سیب تم نے چھینا تھا —؟"

دوسرے ہی لمحے حنا دھم دھم کودتی اچھلتی نیچے اُن کے سامنے آکھڑی ہوئی ...... اس کے پورے منہ میں سیب ٹھنسا ہوا تھا۔

"دیکھو حنا! معافی مانگو —"

"امی حضور اور ہما آپا ...... آپ دونوں ہمیں معاف کردیں ......"

لیکن نہ امی حضور نے کچھ کہا اور نہ ہما ہی کچھ بولی۔

"خان بہادر نے جلدی سے کہا —" ارے وہ معافی مانگ رہی ہے۔ اور آپ لوگ ایسی ہی کھڑی ہوئی ہیں .... معاف کردو بھئی —"

"یہ کوئی معافی مانگنے کا طریقہ ہے —" امی حضور نے جھلا کر کہا تھا .... "جیسے کوئی لٹھ مار رہے —"

خان بہادر نے پھر ایک قہقہہ لگایا تھا اور حنا کو آنکھ سے اشارہ بھی کردیا۔

"پلیز امی حضور ..... پلیز ہما آپا .... معاف کردیجئے اب —" حنا نے جھٹ دونوں کے سامنے اپنے ہاتھ جوڑ دیئے تھے۔

"ہونہہ...... آئندہ ایسی بدتمیزی مت کرنا ۔" امی حضور نے اُسے گھورا ۔

"جی بہت اچھا ۔" حنا نے معصومیت سے اپنے کان بھی پکڑ لئے ۔

خان بہادر کا قہقہہ پھر پھوٹ پڑا تھا ۔

زیباؔ کا دل اب کسی کام میں نہیں لگتا تھا — !

اُس کا دل اب ہر چیز سے اچاٹ ہو چکا تھا...... اب وہ بے چین بے چین سی رہا کرتی تھی — مضطرب اور پریشان سی...
... کبھی کبھی خیالوں میں کھو جاتی اور گھنٹوں بیٹھی خلا میں جانے کیا تلاش کرتی رہتی — ؟؟

اور بیٹھے بیٹھے اچانک چونک سی جاتی — اس کے کان ہر آہٹ پر لگے رہتے جب بھی ڈیوڑھی کے باہر وہ کسی کے قدموں کی چاپ سنتی تو اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگتا — اُس کی دھمک کانوں کے پردے پھاڑنے لگتی — پھر وہ گھنٹوں اپنے دل کو دبائے بستر میں پڑی رہتی۔

اب تو دن میں کئی بار وہ بشیر میاں سے پوچھ لیتی تھی ——— کیا باہر کوئی آیا ہے ——— آیا ہے تو کون آیا ہے ——— ابا حضور سے ملنے آیا ہے یا وفا ر بھائی سے ———؟

پھر اُسے خود ہی اس بات پر شرم آجایا کرتی تھی کہ اگر اس کی یہی حرکتیں جاری رہیں تو لوگ اس کے متعلق کیا سوچیں گے۔ کیا خیال کریں گے ——؟

یہ کیا ہو گیا تھا اُسے ——— کہیں وہ پاگل تو نہیں ہو گئی تھی۔ ہوش کھو بیٹھی تھی اپنے ——— اُس اجنبی کے لئے جسے اُس نے پہلی بار دیکھا تھا ——— بھر دوپہر میں، گہرے سناٹے میں وہ اس سے کیا ٹکرائی تھی کہ اپنا دل ہی گنوا بیٹھی تھی ——— وہ اجنبی لڑکا کتنی آسانی سے اُس کا دل چُرا لے گیا تھا ———؟

"آفاق ——— آفاق —— آفاق —" زیبا نے آہستہ آہستہ اس کا نام دہرایا اور ایک عجیب سی انوکھی سنسناہٹ اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی ——— نس نس میں ایک سرور سا چھا گیا ——— اور سارے بدن میں میٹھا میٹھا درد جاگ پڑا ———

زیبا نے کروٹ بدلی ——— وہ کروٹ پر کروٹ بدلتی تھی، لیکن دل کا درد بڑھتا ہی جاتا تھا ——— وہ اس لڑکے آفاق کو دوبارہ دیکھنے کے لئے تڑپ رہی تھی ——— بُری طرح بیتاب تھی اُس کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے ——— اُس کے لئے بھی بہت

تھا کہ وہ اسے چھپ کر دور سے ہی دیکھ لے ـــــ اس سے ملنے
اور ملاقات کرنے کے بارے میں تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی
..... اُس کا تصور ہی لرزا دینے کے لئے کافی تھا زیبا کیلئے ـ!
لیکن وہ کمبخت آئے بھی تو ـــــ؟
اس وقت بھی زیبا بہت بے چین اور بے کل سی تھی.....
کسی کام میں اسکا جی نہیں لگ رہا تھا ـ کافی دیر سے وہ حویلی میں یونہی بے مدعا
چکر کاٹ رہی تھی لیکن ہر جگہ وہ بور اور مایوس ہو کر واپس آجاتی ـــــ
لیکن وہ کیا چاہتی تھی ـــــ؟
پھر وہ اوپر والے کمرے میں جانے کے لئے سیڑھیاں طے
کرنے لگی..... بڑی کاہلی کے ساتھ اس نے سیڑھیاں طے کیں اور
اوپر والے کمرے میں پہنچ گئی..... کمرے کی کھڑکیاں بند تھیں اور
فضا گھٹی گھٹی سی معلوم ہو رہی تھی ـ
زیبا گھبرا کر آگے بڑھی اور اس نے پشت کی جانب کھلنے
والی کھڑکی آہستہ سے کھول دی ـــــ اُس نے بڑی بے دلی سے
باہر جھانکا ـــــ لیکن دوسرے ہی لمحہ جیسے ایک بجلی سی لہرا گئی تھی
اور زیبا کو اوپر سے نیچے تک کپکپاتی ہوئی گذر گئی تھی ـــــ!
اُس کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پھیلی کی پھیلی رہ گئی تھیں..
..... وہ حیرت شوق سے ٹکٹکی باندھے تکتی رہ گئی تھی.....
آفاق بیگ ابھی ابھی حویلی کے پھاٹک میں داخل ہو کر اصاطے میں
قدم بڑھا رہا تھا

آفاق کو دیکھتے ہی زیبا کے دل کی دھڑکنیں اپنی رفتار بھولنے لگی تھیں ـــــ جب خوشی بن مانگے ہی مل جایا کرتی ہے تو دل کا کیا حال ہوتا ہے وہ اس وقت کوئی زیبا سے پوچھ لیتا ـــــ یہ کیسا خمار اور کیسا نشہ تھا جو اُس کے اوپر طاری ہوتا چلا جا رہا تھا ـــــ!

ایک لمحے کیلئے زیبا کو یوں محسوس ہوا جیسے اُس کے دل کی دھڑکن رکھ سی جائے گی ـــ ٹھنڈا پسینہ اُس کے مساموں سے پھوٹ پڑا تھا ـــ!

اچانک احاطہ میں داخل ہو کر ڈرائنگ روم کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے آفاق نے بے خیالی میں گردن اُٹھا کر اوپر دیکھا ـــ اور ٹھٹھک کر رہ گیا ..... وہاں کھڑکی میں ایک چہرہ گلاب کی طرح کھلا ہوا تھا ـــ!

یہ تو وہی لڑکی تھی جو اُس سے ایک دوپہر چوہدری کی باڑھ کے پاس ٹکرائی تھی اور اس کا سب کچھ لوٹ کر لے گئی تھی ..... وہ چوٹ آج تک اپنے سینے پر لیئے ہوئے تھا ..... اور گھائل پرندے کی طرح تڑپ رہا تھا ـــ!

چند لمحوں تک وہ زیبا کو اور زیبا کھڑکی میں سے آفاق کو اپنی پلکیں پھڑپھڑاتے ہوئے حیرت سے تکتے رہ گئے تھے ـــ

اچانک زیبا کو ہوش آیا..... وہ چونکی اور شرم سے اس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو گیا..... کتنی بے غیرتی سے وہ اُسے گھور رہی تھی ...... اس خیال کے آتے ہی اس نے پھٹاک سے کھڑکی بند کر دی ـــــ!

زیبا نے اپنی گہری سانسوں کے بوجھ تلے دبتے ہوئے اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا اور یوں ہانپنے لگی جیسے لمبی مسافت طے کر کے آ رہی ہو..... گدگدیاں سی اس کے جسم میں ہونے لگی تھیں ـــــ مسرت سے وہ بے قابو ہوئی جا رہی تھی ......

جو دل چاہ رہا تھا وہ خواہش پوری ہو گئی تھی .....

اُس نے آفاق کو دیکھ لیا تھا ـــــ وہ آ گیا تھا حویلی میں ـــــ!

خوشی سے سرشار ہو کر وہ واپس نیچے بھاگی ....

ایک ایک چھلانگ میں وہ دو دو سیڑھیاں پھلانگتی ہوئی جب نیچے آئی تو گلشن بوا اُسے گھور رہی تھیں۔

"اے بیٹیا! یہ کوئی زینہ اُترنے کا طریقہ ہے ...... خدانخواستہ کہیں اونچا نیچا پیر پڑ گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے ـــــ"

"اوہ گلشن بوا ـــــ" وہ اپنی بوڑھی ملازمہ کے گلے میں جھول گئی ....." مجھے کچھ نہیں ہونے کا ـــــ"

"نہیں بیٹا ہمیں یہ باتیں پسند نہیں ہیں" گلشن بوا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اب تمہاری شکایات خان بہادر سے کرنا پڑے گی۔"

"میری اچھی گلشن بوا ــــ لاؤ تمہارا ہاتھ بٹا دوں...."

"چلو ـ چلو.... زیادہ خوشامد نہ بگھارو ہم سے" گلشن بوا نخرے دکھانے لگیں "ہمارا ہاتھ بٹائیں گی ــــ بڑی آئیں ہاتھ بٹانے والی ــــ"

"سچ گلشن بوا..... ابھی آپکو چائے تیار کرنا پڑے گی ــ میں بنا دوں چائے"

"چائے کون پیئے گا ــــ تم بیٹیا" گلشن بوا چونکی تھیں ۔

"ارے ہم نہیں.... باہر وقار بھائی کے دوست آئے ہیں..... چلو باورچی خانہ میں.... ہم بنا دیں گے"

گلشن بوا نے اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر حیرت سے گھورا تھا ــــ آج کیا بات ہے بیٹیا، تم تو کبھی اتنی مہربان نہیں ہوئی تھیں ــــ"

زیبا نے گلشن بوا کی بات سُنی ان سُنی کر دی اور خود جلدی سے باورچی خانہ میں گھس گئی اور کیتلی میں پانی بھر کر کیتلی چولہے پر رکھ دی ۔

پیچھے پیچھے گلشن بوا بڑبڑاتی ہوئی اندر آگئی تھی۔ اس وقت تک زیبا نے ٹرے صاف کرکے پیالیاں اور چمچے اور دودھ دانی وغیرہ صاف کرنا شروع کردی تھی۔

چائے ذراسی دیر میں تیار ہوگئی۔

دال موٹ اور تلے ہوئے کاجو ایک ایک پلیٹ میں رکھکر زیبا نے ٹرے گلشن بوا کو تھماتے ہوئے کہا "جاؤ اپنے شریمیاں کرڈیوڑھی میں دیدو — اسے ڈرائنگ روم میں وقار بھائی کے دوست کے پاس پہنچادیں گے"

جب گلشن بوا چائے کی ٹرے لے کر چلی گئیں تو زیبا نے شکھ کی یوں گہری سانس لی تھی جیسے اس نے کوئی قلعہ فتح کرلیا — آج اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہوئے اُسے بے پایاں مسرت ہوئی تھی..... آفاق کو چائے بھجوا کر اُس نے جیسے کوئی کارنامہ انجام دے دیا تھا — انگ انگ سے خوشی پھوٹی پڑ رہی تھی — !

جیسے اس نے آفاق کو چائے نہ بھجوائی تھی اپنا دل نکال کر بھجوادیا تھا — !

اسی وقت اسکی گہری سہیلی راقیہ پہنچ گئی۔

راقیہ نے ڈیوڑھی سے گذر کر برقعہ کا نقاب الٹ دیا اور زیبا کو باورچی خانہ میں دیکھ کر بولی "کیا بات ہے زیبو! تمہارا

چہرہ لال بیر بہوٹی کیوں ہو رہا ہے ——؟"

"آں.... رقّو —— آؤ.... آؤ...." زیبا تڑ پڑا کر باورچی خانہ سے باہر نکل آئی.... "کیسے بھول پڑیں آج —"

راقیہ نے اپنا برقعہ اُتارتے ہوئے ہنس کر جواب دیا —

"کیا بتاؤں جانی! تمہاری یاد بہت ستا رہی تھی ہمیں —"

"جھوٹ نہ بولو تو پیٹ بھی نہ بھرے ——" زیبا نے جواب دیا "خوب سمجھتی ہوں تمہیں منہ دکھائی کی محبت ہے بس ——!"

"اب باتیں نہ بناؤ بی بنّو! اگر تمہیں اتنا پیار تھا تو خود چلی آتیں، تمہارے پیروں میں مہندی تو لگی نہیں تھی ——"

"ہمیں تو فرصت نہیں ملتی ہے رقو! ——"

"ہاں دنیا میں ایک ہم ہی تو نکمّا رہیں جیسے ——" راقیہ نے جواب دیا "چلو کمرے میں چلتے ہیں ——"

زیبا نے گلشن بوا سے کہا کہ وہ چائے بنا کر اس کے کمرے میں بھیج دے اور خود راقیہ کو لیکر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

راقیہ نے اپنا برقعہ ایک طرف پھینکا اور مسہری پر لیٹ گئی —— "اور سناؤ بنّو! کہیں کوئی آنکھ وانکھ لڑی یا نہیں ——؟"

"چل ہٹ شریر کہیں کی ——" زیبا کا چہرہ کسی خیال سے گلنار ہو گیا اور اسی لمحہ آفاق کا خیال آتے ہی ایکبار پھر اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ اور وہ خاموش ہو کر رہ گئی۔

رافیہ اُس کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت کو غور سے دیکھتی رہی
پھر بولی ۔۔۔ "یہ میں کیا دیکھ رہی ہوں ۔۔۔ دو دن میں کیا ماجرا
ہو گیا ۔۔۔ ؟"

"کک ..... کیا ہو گیا ۔۔۔ ؟" زیبا اور زیادہ گھبرا گئی اور
اور سہم کر رافیہ کی جانب چور نظروں سے تکنے لگی ۔

یہ اڑی اڑی سی رنگت یہ کھلے کھلے سے گیسو
تیری صبح کہہ رہی ہے تیری رات کا فسانہ

رافیہ نے شعر پڑھا تھا ۔

"کیا بکواس کر رہی ہو تم ۔۔۔ ؟"

"میری جان ! ہم تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں ، لفافہ
دیکھ کر ہی مضمون بھانپ لیتے ہیں ۔۔۔"

"پاگل ہو گئی ہو تم رفو ڈارلنگ ۔۔۔"

"سچ سچ بتاؤ ..... بتاؤ ..... بتاؤ ۔۔۔" رافیہ زیبا کے
گدگدیاں کرنے لگی ۔

"اری کمبخت رہنے دے ..... چھوڑ مجھے ..... اُف ....
مر جاؤں گی ..... بس ..... بس ..... تیرا ستیاناس ۔۔۔" ہنستے ہنستے
زیبا کے پیٹ میں درد ہونے لگا تھا .....

"بتا ..... بتا ۔۔۔"

"اچھا ..... ہاہاہا ..... بتاتی ہوں ... بابا بتاتی ہوں ۔۔۔"

"شاباش ــــ" رافیہ نے گدگدیاں کرنا چھوڑ دیں اور سنبھل کر مسہری پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔ چہرے پر بہت ہی سنجیدگی طاری کر لی تھی اُس نے ــ!

زیبا کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا تھا۔ آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے تھے.... بہت مشکل سے وہ اپنے آپ کو قابو میں کر پائی۔

"بولو ــ بولو، منہ سے بولو ــ"

"خاک ــ" زیبا نے اُسے جل کر گھورا تھا۔

"اچھا پھر گدگداؤں......؟"

"ارے ــ رے .... بتاتی ہوں... بتاتی ہوں ــ"

"تو فوراً شروع ہو جاؤ ــ" رافیہ تحکمانہ لہجے میں بولی...

..."کون ہے وہ ... کیسا ہے اور تمہارا چکر کیسے چلا ــ؟"

زیبا چند لمحوں تک اُسے گھورتی رہی پھر بولی ــ "تم تو خواہ مخواہ پیچھے پڑ گئی ہو.... کچھ ہو بھی تو بتاؤں.....؟"

"پھر بننے لگیں تم ــ آج تمہارا انداز ہی چغلی کھا رہا ہے جانِ من ــ"

"بہت پہنچی ہوئی ہو ــ"

"ہم اللہ والے لوگ ہیں، دلوں کا حال جان لیتے ہیں ــ اچھا فالتو باتیں بند اور کام کی باتیں شروع ــ چلو شاباش شاباش ــ بولو ــ؟"

زیبا نے کہنے کے لئے منہ کھولا لیکن ہمت نہ پڑی جھلّا کر بولی — "ہائے اللہ تم کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو کسی بدروح کی طرح —"

"دیکھو بغیر داستان سنائے تمہارا چھٹکارا نہیں ہے"

"کبھی ہم سے کچھ نہیں بتایا جائے گا —"

"کیوں شرم آتی ہے —؟" راضیہ طنزیہ انداز میں پوچھنے لگی —

"ہاں ......!"

"ماشاء اللہ — ماشاء اللہ —" راضیہ نے گردن ہلائی تھی "...... کسی سے آنکھیں چار کرتے شرم نہیں آئی اور ہم سے کہتے کو شرم آ رہی ہے —"

"تم سمجھتی کیوں نہیں اللہ —"

"تو سمجھاؤ نا —"

"بس..... وہ .... ایک دن دوپہر میں ہم اُس سے ......
اُس سے ٹکرا گئے تھے ...... اس وقت وہ بھی ...... وہ بھی اندھا ہو گیا تھا —"

"شکر ہے اپنی دوپہروں کو تم نے ٹکرانا شروع کر دیا ہے — راضیہ نے ٹھنڈی سانس لی تھی — "اور ایک ہم ہیں، نہ دوپہر کو کوئی ہم سے ٹکراتا ہے اور نہ صبح اور شام .....

تو تو بہت خوش قسمت نکلی ـــ خیر ـ پھر آگے بولو ..... آگے کیا ہوا ـــ؟"

"تمہارا سر ـــ؟"

"میرا سر وہاں کیسے درمیان میں پہنچ گیا ـــ" رافیہ جلدی سے بولی ـــ "پھر کیا ہوا ـــ؟"

"ہونا کیا ..... ہم گھر میں چلے آئے ..... اور وہ ..... باہر چلا گیا ....." زیبا اٹک کر بولی ..... "بس یہ ہے ساری کہانی جو اتنی بکواس کر رہی تھی مُردار ـــ"

"یہاں سے تو کہانی شروع ہوتی ہے ـــ اس کے بعد تمہارا دل دھڑکا ہوگا ..... چہرے پر سرخ رنگ چھا گیا ہوگا اور بدن میں ہلکی ہلکی گدگدی ہونے لگی ہوگی ..... کیوں ......؟"

"ہاں ....." زیبا بے خیالی میں کہہ گئی۔

"شاباش! ...... پھر تجھے اُس کا خیال ہر وقت رہنے لگا ہوگا ..... کسی کام میں تیرا دل نہیں لگتا ہوگا ـــ"

"ارے ..... تجھے کیسے معلوم ہوا ـــ؟"

"ابتدا میں ایسا ہی عارضہ لاحق ہو جاتا ہے ـــ بہت موذی مرض ہے یہ ـــ"

"کونسا ـــ؟"

"یہی نامراد عشق ....؟"

"چل ہٹ کہیں کی ..... مجھے کیوں ہونے لگا عشق وشق ـــــ" زیبا نے سرخ ہوتے ہوئے کہا۔" اس سے ہمارا کیا واسطہ ـــــ"

" اگر واسطہ نہیں ہے تو ہو جائے گا ـــــ" رافیہ شرارت سے کہنے لگی ......" تو اُسے خط لکھے گی وہ تجھے محبت نامہ بھیجے گا ـــــ بس یہ سلسلہ جا کر شادی پر ختم ہو جائے گا ـــــ"

" رافیہ ......؟"

" ہاں میری جان ! ـــــ دل خوش کر دیا ہے تو نے میرا ...... بتا وہ کون ہے .... کیسا ہے ..... ملاقاتوں کے چانس ہیں یا نہیں ـــــ ؟"

" یہ میں نہیں جانتی ..... لیکن رفو ...... بہت ڈر لگتا ہے مجھے ....."

" تو گھبراتی کیوں ہے ..... ارے ہم جو ہیں تیرے یار ـــــ" رافیہ نے اُسے تسلی دیتے ہوئے حوصلہ دلایا ...." ہاں تو بتاؤ وہ کون ہے ..... کیسا ہے ـــــ ؟"

" آفاق نام ہے اُن کا ..... بہت خوبصورت ہیں وہ ...... بالکل شہزادہ لگتے ہیں ...... وقار بھائی کے

گہرے دوست ہیں۔"

"شاباش! پھر تو تیرا کام بنا ہی بنا رکھا ہے۔"

یکایک زیبا کی آنکھوں میں آنسو چھلک آئے اور وہ بے اختیار رافیہ کے گلے سے لگ گئی اور رافیہ اُسے بڑے پیار سے تھپتھپانے لگی تھی۔!

اچانک بالکل غیر متوقع طور پر ڈاکٹر طارق کو حنا یاد آگئی ـــــ !

اپنے کلینک میں ڈھیر سارے مریضوں میں گھرا ہوا ڈاکٹر طارق نسخہ لکھتے لکھتے چونک پڑا اور اپنا قلم رکھ کر اس لڑکی کے بارے میں سوچنے لگا جو ایک دن بالکل ہوا کے جھونکے کی مانند اس کے مطب میں داخل ہوئی تھی اور چپکے سے اُسکے دل میں، آنکھوں میں سما گئی تھی ـــــ !

حنا کی یاد آتے ہی ڈاکٹر طارق کے ہونٹوں پہ ایک شبک سی مسکراہٹ دوڑ گئی ..... وہ اُس کی گھبرائی ہوئی صورت، وہ بے چین اور متوحش انداز ..... اور وہ پیاری پیاری باتیں

..... کتنا والہانہ اور معصوم سا انداز تھا اُس کا......؟

ڈاکٹر طارق کی آنکھوں میں حنّا کی وہی تصویر بکھر گئی ....!

حنّا..... ڈاکٹر طارق نے ایک گہری سانس لے کر آہستہ سے دہرایا...... واقعی جیسا نام تھا ویسی ہی وہ خود بھی تھی...... حنّا کی خوشبو کی مانند ہی ڈاکٹر طارق کے دل و دماغ پر چھا گئی تھی..... روم روم، نس نس میں رچ بس گئی تھی..... یہ خوشبو اُس کے حواسوں پر مسلط تھی اور کبھی بھی نہیں مٹ سکتی تھی...... کبھی نہیں دور ہو سکتی تھی ـــــ!

حنّا...... تم..... تمہاری خوشبو تو اس کلینک میں پھیل گئی ہے..... چاروں طرف بس گئی ہے..... ڈاکٹر طارق نے اپنے دل ہی دل میں دہرایا اور کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

اور ڈاکٹر طارق کے مریض اس کے اردگرد بیٹھے اُسے حیرت سے تکنے لگے..... آج ڈاکٹر طارق کو جانے کیا ہو گیا تھا جو وہ بے حد تھکا ہوا محسوس ہو رہا تھا..... ویسے آج تک انہوں نے اُسے اس سے پہلے کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا تھا..... طارق تو بالکل چاق و چوبند اور مستعد رہا کرتا تھا...... پھر آج کیا بات تھی...... آج ڈاکٹر طارق کو کیا ہو گیا تھا ـــ؟

مریضوں کو بھلا کیا پتہ تھا کہ ڈاکٹر طارق کے دل کو تو کسی محبت
دھنک نے چھو لیا تھا۔ کسی حنا کی خوشبو نے ڈاکٹر کے دماغ
کو مست اور بے خود کر دیا تھا۔؟

"ڈاکٹر صاحب ۔۔۔؟"

"ڈاکٹر صاحب ۔۔۔!"

"ڈاکٹر صاحب ۔۔۔"

دھیرے دھیرے ڈاکٹر کے کانوں میں مدھم مدھم آوازیں
آوازیں گونجنے لگیں ..... وہ چونک گیا، گھبرا گیا اور ہڑبڑا کر سیدھا
ہو کر بیٹھ گیا .... سارے مریض اُسے حیرت سے تک رہے
تھے ..... سب کی نگاہیں اُس کی جانب اٹھی ہوئی تھیں .... اُسے
غور سے دیکھ رہے تھے ......؟؟

ڈاکٹر طارق نے مسکرا کر پھر اپنا کام شروع کرتے ہوئے
سوچا ..... ان لوگوں کو کیا معلوم کہ آج ڈاکٹر خود مریض بن گیا
ہے ..... اب اُسے صرف حنا ہی شفا دے سکتی تھی ۔۔۔ وہی
معصوم، شریر اور پاکیزہ سی لڑکی اُسے ٹھیک کر سکتی تھی .....!!

لیکن جانے کیا بات تھی کہ حنا اُس دن کے بعد سے خود دوا
لینے اور اپنی بڑی بہن کا حال کہنے نہیں آئی تھی ..... اب تو وہی
اُن کے گھر کا بوڑھا نوکر بشیر میاں آکر دوا لے جاتا تھا اور جو
کچھ حال ہوتا وہ بتا جاتا تھا۔

ڈاکٹر طارق جلدی جلدی اپنے مریضوں کو نپٹانے لگا۔ اچانک اُس نے بشیر میاں کو اندر داخل ہوتے ہوئے دیکھا..... بشیر میاں نے اپنے ہاتھ میں دوا کی شیشی مضبوطی سے تھام رکھی تھی۔

"آداب ڈاکٹر صاحب ۔"

"آداب بشیر میاں ۔ اب کیا حال ہے؟"

"میرا حال کیا پوچھتے ہو ڈاکٹر صاحب! میں تو بالکل تندرست ہوں، لیکن وہ جو ہے نا گلشن! وہ کہتی رہتی ہے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں..... اب آپ ہی بتائیے ڈاکٹر صاحب! کیا میں بوڑھا ہوں ۔ ؟"

"بالکل نہیں ۔"

"اللہ آپ کو خوش رکھے!..... ہاں کیا میں شادی نہیں کر سکتا ۔ ؟"

"کیوں نہیں کر سکتے بشیر میاں ۔ ایک نہیں ..... ؟"

"بلکہ چار شادیاں کر سکتا ہوں نا ۔" بشیر میاں نے ڈاکٹر طارق کی بات ۔ درمیان سے ہی کاٹتے ہوئے کہا تھا..... "آپ کے ہمیشہ گھی شکر ڈاکٹر ۔ ؟"

"پھر کب کر رہے ہو شادی ۔ ؟"

"جب وہ..... وہ شادی کے لئے تیار ہو جائے گی ۔

بشیر میاں نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔
ڈاکٹر طارق نے ایک قہقہہ لگایا اور دبیّا کا پرچہ نکال کر اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔ "اچھا بشیر میاں کیا حال ہے دبیّا بی بی کا ــــــ؟"

"اب اللہ کا فضل ہے ڈاکٹر صاحب ــــ"

"کوئی شکایت نہیں ــــ؟"

"بالکل نہیں ــــ"

"اور سب تو ٹھیک ہیں بشیر میاں ــــ؟"

"خدا کا شکر ہے ــــ"

"اور وہ ..... وہ تمہاری چھوٹی .... کیا نام ہے بھلا...؟"

"کون حنّا بی بی ــــ؟"

"ہاں .... ہاں حنّا ــــ" ڈاکٹر طارق کے چہرے پر شادابی دوڑ گئی۔" ان کا کیا حال ہے ــــ"

"بس کچھ نہ پوچھئے ڈاکٹر صاحب ــــ" بشیر میاں نے کانوں پر ہاتھ لگائے تھے۔

"کیوں! کیا ہوا ــــ؟"

"وہ تو ہوا سے لڑتی ہیں ڈاکٹر صاحب! ــــ" بشیر میاں بتانے لگے ...! سارا گھر اُن سے خوف زدہ رہتا ہے ..... سب سے زیادہ شہہ ہی ہر بونگ مچایا کرتی ہیں .... بالکل سب سے الگ ہیں ...

ایکدم آزاد اور منہ پھٹ... کسی کو خاطر میں نہیں لاتی ہیں... لیکن
... لیکن مجھ سے بہت ڈرا کرتی ہیں جی ہاں ڈاکٹر صاحب... میں ہی
ڈانٹ دیا کرتا ہوں نا"

"اچھا"

"جی! میں نے انہیں گود لیوں میں جو کھلایا ہے ڈاکٹر صاحب"

"بہت خوب" ڈاکٹر طارق نے ایک گہری سانس لی اور
دیئے گئے نسخے پر تاریخ ڈال کر بشیر میاں کو دیتے ہوئے بولا "جاؤ
دوا لے لو جا کر"

"پان کھائیں گے ڈاکٹر صاحب؟" بشیر میاں نے پرچہ
پکڑتے ہوئے پوچھا تھا۔

"نہیں.... شکریہ میاں" ڈاکٹر طارق نے دھیرے
سے انکار کر دیا۔

جب بشیر میاں دوا لینے دوسری طرف چلے گئے تو ڈاکٹر طارق نے
گردن جھٹک کر مسکرایا اور حنا کے بارے میں ہی سوچنے لگا
.... بشیر میاں نے اُسے بتایا تھا کہ وہ سب سے الگ ہے....
ہاں وہ سب سے الگ ہے۔ ڈاکٹر طارق نے سوچا
.... چاند بھی تو ستاروں سے الگ ہوتا ہے....!!
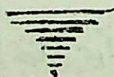
ڈیوڑھی پار کر کے ایک خوبصورت آدمی نے جس کی عمر پینتیس اور چالیس کے درمیان رہی ہوگی آنگن میں قدم رکھتے ہی ہانک لگائی تھی ــــ "لڑکیو! لو پیٹ بھر کے امرود کھاؤ ــــ!"

حنا تو کیاری کے پاس کھڑی بنفشے کے پھولوں کے گچھے توڑ رہی تھی پلٹ کر بھینے لگی، پھر دوسرے ہی لمحے اس نے نعرہ لگایا تھا ــــ "ارے اشرف بھائی آگئے ــــ"

"نامعقول! ــــ" اشرف نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے ڈانٹا ــــ "نام لیتی ہے میرا.... ارے بھائی جان کہتے ہوئے کیا منہ دکھتا ہے تیرا ــــ"

"نہیں! میں تو اشرف بھائی ہی کہوں گی ــــ" حنا نے

اکڑ کر جواب دیا۔

"ارے تو تو بابا ہمیشہ کی ضدی ہے..... باغی ہے باغی.....

خیر..... یہ چچی جان اور باقی لڑکیاں کس کونے میں گھسی ہوئی ہیں؟" اشرف نے اپنے ہاتھوں میں لٹکے ہوئے بھاری بھاری تھیلے فرش پر رکھ دیئے تھے۔

اُن کی آواز سنکر امی حضور، زیبا اور ہما گھر سے باہر نکل آئیں۔

"کون اشرف میاں آئے ہیں —"

"تسلیم چچی جان —"

"جیتے رہو بیٹے، جگ جگ جیو..... بہت دنوں بعد صورت دکھائی تم نے ..... میں تو روز یاد کرتی تھی کہ آج آؤ گے .....

لیکن تم تو ہم سے زیادہ زمینوں اور باغات کے ہو کر رہ گئے ہو —"

"کیا کروں چچی جان! بالکل فرصت نہیں ملتی ہے.....؛" اشرف بھائی نے اپنے کپڑوں اور ہاتھ پیروں سے گرد جھاڑتے ہوئے جواب دیا۔

ہما اور زیبا نے تھیلوں کی طرف جھپٹتے ہوئے کہا —

— "اشرف بھائی آداب! کیا لائے ہیں ہمارے لئے .....؟"

"امرود، موسمیاں ہیں —" اشرف بھائی بولے اور پھر

گردن گھما کر ادھر ادھر لگا ہیں دوڑاتے ہوئے کہا "یہ دیبا کہاں ہیں ۔۔ مجھے مبکّو نے جا کر بتایا تھا کہ خدانخواستہ ان کی طبیعت ناساز ہو گئی تھی ۔۔؟"

"ہاں بیٹے دورا پڑ گیا تھا منحوس! سارے گھر میں کھلبلی مچ گئی ..... اب ذرا طبیعت ٹھیک ہوئی ہے ۔۔"

حنا، ہما اور زیبا تینوں امرود اور موسمیوں پر ٹوٹ پڑی تھیں ۔۔

"شکر ہے ..... میں تو خود بھی ڈر گیا تھا ۔۔" اشرف بھائی نے اطمینان کی گہری سانس لیتے ہوئے کہا ..."بہت فکر تھی مجھے ۔۔"

"چلو ہاتھ منہ دھو لو بیٹے بھوک لگی ہو گی کچھ کھا پی لو گلشن بوا ..... اے گلشن بوا دیکھو اشرف میاں آئے ہیں، ان کے لئے کچھ ناشتہ پانی کا انتظام کر دو ۔۔ یہ بڈھے بشیر میاں کہاں جا کر مر گئے صبح سے گوشت لینے بھیجا، ابھی تک نہیں آئے ۔۔"

"امی حضور! میرا خیال ہے اپنے سامنے بکرا ذبح کرا کر لائیں گے ۔۔" حنا امرود کھاتے ہوئے بولی تھی۔

ہما اور زیبا ہنس پڑیں اور اشرف بھائی لوٹا اٹھا کر چبوترے کی طرف جاتے ہوئے بولے "چچی جان اس بار فصل بہت اچھی ہوئی ہے ۔۔"

"شکر ہے ...... پچھلی مرتبہ تو پالے نے سب کچھ ختم کر دیا تھا۔"

اشرف بھائی چبوترے پر بیٹھ کر ہاتھ منہ دھونے لگے امی حضور دو چار موسمیاں تھیلے میں سے نکال کر ڈالان میں اپنی چوکی پر جا بیٹھیں اور پاندان میں سے چاقو نکال کر دو موسمیوں کے چھلکے اتارنا شروع کر دیئے۔

حنا، ہما اور زیبا بھیڑ بکریوں کی مانند امرودوں پر منہ چلا رہی تھیں ......

اشرف بھائی ــــ دور کے رشتے دار تھے۔ ماں باپ بچپن میں ہی مر گئے اس لئے یتیم ہوتے ہی کئی گھروں سے ہوتے ہوئے اس حویلی تک پہنچے تھے ــــ خان بہادر احمد ریاض نے انہیں زنانہ کے ساتھ ساتھ تعلیم دلوانا چاہی تھی ــــ لیکن زیادہ عمر گزر جانے کی وجہ سے وہ پڑھ نہ سکے ــــ انہیں تو زمینداری میں رہنے کا شوق تھا۔ اس لئے خان بہادر ریاض کی مرضی نہ ہوتے ہوئے بھی وہ یہیں اپنی نگرانی میں کھیتوں اور باغات کا کام کراتے رہتے ــــ ایک چھوٹے اور کچے مکان میں رہتے ــــ اور اسی طرح ان کی زندگی گذر رہی تھی۔

لیکن کوئی بھی اشرف بھائی کو غیر نہ سمجھتا تھا ...... اس حویلی میں ان کی نہی عزت اور قدر و منزلت تھی جو وقار میاں

گی ہو سکتی تھی۔!

منہ ہاتھ دھو کر اشرف بھائی چارپائی پر جوتے اتار کر بیٹھے ہی تھے کہ باورچی خانہ سے گلشن بوا ان کے لئے ناشتہ لگا کر لے آئیں۔

"اشرف میاں! اس بار بہت دنوں بعد آئے۔ ٹھیک تو رہے"

"سلام گلشن بوا"

"جیتے رہو اشرف میاں! سہرے کے پھول کھلیں ......
تم اس گھر میں سب سے بڑے ہو ...... کب ہی ڈالو میاں شادی"

پراٹھے کا نوالہ منہ تک جاتے جاتے رک گیا ....
اشرف میاں نے چونک کر اور کچھ گھبرا کر گلشن بوا کی طرف دیکھا تھا ..... پھر گڑگڑا کر بولے ـــ ارے گلشن بوا .....
اب کون کرے گا ہم سے شادی ... ہم ایسے ہی ٹھیک ہیں"

"ہاں گلشن بوا" حنا وہیں سے چلائی تھی "اگر آج اشرف بھائی شادی کے لئے راضی ہو جائیں تو میں ایک سے ایک لڑکی ڈھونڈ لوں ان کے لئے ...... چاند سی دلہن آئے گی اشرف بھائی کی"

"بے وقوف! کیوں مضحکہ اڑاتی ہے میرا"

"سچ اشرف بھائی! میں مذاق نہیں کر رہی .... واقعی ..

لڑکیوں کی کوئی کمی ہے..... ایک سے ایک بڑھکر لڑکی مل جائیگی ہیں..... بس آپ حامی بھر لیجئے شادی کیلئے۔"

"تم پاگل ہوگئی ہو..... یہ کوئی عمر ہے شادی کی — اشرف بھائی نے مسکراکر بیدلی سے جواب دیا اور ناشتہ کرنے میں معروف ہو گئے۔

..... ناشتہ تو وہ کر رہے تھے..... لیکن ان کے دل میں ایک کانٹا سا چبھ رہا تھا..... کانٹے کی خلش یکلخت بڑھ گئی تھی..... انہوں نے اگر آج تک شادی نہیں کی تھی تو اس کی بھی ایک وجہ تھی..... ایک راز تھا..... وہ راز انہوں نے آجتک اپنے سینے کے اندر چھپا کر رکھ چھوڑا تھا۔

بہت پہلے انہوں نے اپنے دل میں محبت کا دیا روشن کیا تھا..... آج تک وہ اس دیا کو اپنے سینے کے اندر جلائے ہوئے تھے..... چپکے چپکے اس کی حفاظت کرتے رہتے تھے..... اور تمام زمانے سے انہوں نے اسے چھپا لیا تھا کہ کسی کی نظر نہ لگ جائے۔

ہاں... آج تک انہوں نے کسی کے کان میں یہ بھنک نہیں پڑنے دی تھی کہ وہ دیبا سے محبت کرتے ہیں... بے پناہ پیار ہے انہیں..... یہاں تک کہ دیبا کو بھی احساس ہونے نہیں دیا تھا کہ وہ اس کے عشق میں بری طرح گرفتار ہو چکے

ہیں ——!

اشرف بھائی کا خیال تھا کہ گھر والے کبھی خود ہی اس بارے میں سوچیں گے کہ دیبا کی شادی اُن سے ہو سکتی ہے ..... اسی آس اور اُمید پر جی رہے تھے ..... اور انتظار کر رہے تھے ..... لیکن اس کے ساتھ ہی ایک دھڑکا بھی انہیں لگا رہتا تھا ...... ایک خوف ہمیشہ مہیب سائے کی طرح اُن پر مسلط رہتا کہ کہیں دوسری جگہ سے دیبا کا رشتہ نہ آجائے اور وہ کہیں اور بیاہ کر نہ چلی جائیں .....

اگر ایسا ہو گیا تو وہ کیسے جئیں گے ——؟

جب سے انہوں نے یہ سنا تھا کہ دیبا پر دورہ پڑا تھا اور وہ بے حد بیمار پڑ گئی تھیں تب ہی سے بے چین اور مضطرب ہو گئے تھے ..... اور آج یہی خلش انہیں حویلی تک کھینچ لائی تھی —— وہ دیبا کو دیکھنے کے لئے ہی شہر آئے تھے۔

چائے کی پیالی خالی کر کے انہوں نے ٹرے کھسکاتے ہوئے کہا —— "گلشن بوا، ٹرے آکر لے جاؤ ——"

گلشن بوا باورچی خانہ سے نکل کر آئیں اور ٹرے کی طرف دیکھ کر بولیں —— "اے اشرف میاں تم نے ناشتہ کیا ہی کہاں ہے —— اور کھاؤ نا ——"

"نہیں گلشن بوا —— بس ——" وہ جوتے پہننے لگے۔

اشرف بھائی تو نے پہن کر دھڑکتے دل کے ساتھ دیبا کے کمرے کی طرف بڑھے۔ چپ چاپ یکساں چال سے چلتے ہوئے جب وہ دیبا کے کمرے میں پہنچے تو وہ نہیں تھی.... مایوس ہو کر واپس نکل آئے۔ اِدھر اُدھر دیکھا، ہما، حنا اور زیبا سے پوچھنے کی ہمت نہ پڑی اس لئے وقار سے ملنے کے لئے مردانے حصے کی طرف بڑھے ــــ!

لیکن ڈیوڑھی تک پہنچتے پہنچتے پھر رک گئے اور رخ پھیر کر زینے کی طرف بڑھنے لگے۔ چلتے چلتے اچانک انہیں خیال آ گیا تھا ہو نہ ہو دیبا اوپر والے حصے میں ہو سکتی ہے ــــ؟

خاموشی سے زینہ طے کر کے وہ اوپر پہنچے، چھت والا کمرہ کھلا تھا، لیکن وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ وہ خالی کمرے سے نکل کر دوسری طرف بڑھے اور پھر ایک دم ہی جیسے زمین سے چپک کر رہ گئے۔

چھت کے ایک گوشے میں دیوار کے نیچے دو چارپائیاں کھڑی کر کے اس کی آڑ میں دیبا ٹھنڈے پانی سے نہا رہی تھی ..... اس وقت چھت پر کسی کے آجانے کا کوئی خوف بھی نہیں تھا اس لئے اُس نے چارپائیوں پر چادر ڈالنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا اور بے دھڑک لوٹے بھر بھر کر پانی اپنے سر پہ ڈال کر نہا رہی تھی ــــ!

اشرف بھائی آنکھیں پھاڑے سکتے کے عالم میں دیبا کے گورے گورے بدن کو تکتے رہیں جس میں ہلکے گلابی رنگ کی آمیزش تھی چارپائیوں کے پیچھے سے جھلکتا ہوا تکتے رہ گئے...... ایک عجیب اور انوکھی سی سنسنی ان کے سارے جسم میں پھیل گئی اور ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ اُن کے مساموں سے پھوٹ پڑا ــــــ!

وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتے تھے...... لیکن زمین جیسے اُن کے پیر نہیں چھوڑتی تھی...... دیبا کے چمکتے جھلملاتے ننگے بدن پر ننھی ننھی بوندیں کنول پر شبنم کی مانند لرز رہی تھیں.... گول گول سڈول جسم اشرف بھائی کے دل میں ایک شعلہ سا بھڑکا رہا تھا ..... ان کی نظریں نہ چاہتے ہوئے بھی نہاتی ہوئی دیبا کی طرف اُٹھ اُٹھ جاتی تھیں...... انگ انگ پر پھسل جاتی تھیں....

گناہ کا احساس کرتے ہوئے اشرف بھائی گہری گہری سانسیں لیتے الٹے قدموں لوٹ آئے اور آنگن میں بچھی چارپائی پر لیٹ گئے..... ان کا چہرہ جرم سے کانوں تک سرخ ہو رہا تھا اور دل قابو میں نہ آتا تھا....

"پان بنا دوں تمہارے لئے اشرف میاں ــ" دالان میں ان کی چچی جان کی آواز آئی۔

"آں...... نہیں چچی جان! پان نہیں کھاؤں گا ــ"

"وقار میاں سے ملے ــ؟"

"ابھی نہیں لاچی جان —" وہ ہانپتے ہوئے بولے تھے ......
.... "چچا جان سے بھی ملنا ہے ...... وہ تو اپنے کمرے میں ہی ہونگے"
"ہاں ...... وہیں ہیں —"

اشرف میاں اپنے دل کو بہلانے کے لئے وقار اور چچا جان سے ملنے مردانے حصے کی طرف چلے گئے!

آج ان کے دل کا درد کچھ اور بڑھ گیا تھا ...... انکے قدم بہک بہک جاتے تھے ...... اور ان کا خیال بار بار دیبا کے گورے جسم کی طرف چلا جاتا تھا جو چادر یا آنچل کے پیچھے سے سورج کی کرنوں کی مانند جھلملا رہا تھا —!
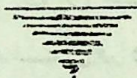
وقار، شبانہ کے عشق میں گلے گلے تک ڈوب چکا تھا!
اُس نے گنگا کے کنارے صبح صادق کے جھونکوں میں شبانہ
سے فوراً شادی کرنے کا جو وعدہ کیا تھا وہ اس سلسلے میں بے حد
پریشان تھا.... سخت الجھنوں میں گرفتار ہو گیا تھا وہ......
جذبات اور محبت میں اس نے ایک ایسا وعدہ کر لیا تھا جو اسکی
حویلی کے مکینوں کو ہلا کر رکھ دیتا.... حویلی کی بنیادیں تک ہل
جاتیں اس کے اس فیصلے سے ـــ کیونکہ اس کے ابا حضور اور
امی حضور اتنی جلدی بغیر سوچے سمجھے، خاندان اور ذات پات
پرکھے بنا، ہڈی سے ہڈی ملائے بغیر یہ شادی ہرگز نہیں ہونے
دیں گے......؟

اور پھر اس کے علاوہ اس کی بہنوں کا مسئلہ بھی تو ایک بھیانک حقیقت کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا ؟

وہ دکھ کی ایک گہری سانس لیکر رہ گیا ...... دیبا، زیبا اور ہما شادی کے قابل ہو گئی تھیں ...... پیغام اُن کے شایان شان نہیں آرہے تھے ...... عمریں بڑھتی چلی جا رہی تھیں ...... اب اس کے ماں باپ کی غیرت یہ کیسے گوارہ کر سکتی تھی کہ وہ اپنی شادی کر لیتا ؟

پھر ...... پھر ......؟

اور اس پھر کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا ...... وہ اپنی بہنوں سے پہلے اپنی شادی کسی صورت میں نہیں کر سکتا تھا۔ شبانہ کو دلہن کی روپ میں حویلی کی بہو بنا کر اس وقت تک نہیں لا سکتا تھا جب تک اس کی بہنوں کے ہاتھ پیلے نہ ہو جاتے ؟

لیکن یہ بھی سچ تھا کہ وہ شبانہ کے بغیر ایک پل بھی زندہ نہیں رہ سکتا تھا ...... شبانہ اس کی روح کی گہرائیوں میں سما چکی تھی ...... سانس سانس میں بس چکی تھی ...... اس کے خیالوں کی مہک سے وقار کا دل و دماغ ہمیشہ معطر رہتا تھا۔

شبانہ سے کیا ہوا وعدہ بھی نبھانا ضروری تھا اور اپنے باپ دادوں کی حویلی کی عزت و آبرو اور دبدبہ کو بھی ملحوظ رکھنا

ضروری تھا... بہنوں سے پہلے اپنی شادی اس کی اپنی حویلی میں کبھی راس نہیں آسکتی.......؟

پھر وہ کیا کرے — کیا کرے —؟؟

وقار کو اب یہی فیصلہ کرنا تھا اور اسی مسئلہ پر سوچنا تھا...... ایک طرف اس کی کنواری بہنیں تھیں اور دوسری طرف شبانہ تھی اور اس کی محبت تھی..... بہنوں کی شادی سے پہلے وہ اپنی شادی نہیں کر سکتا تھا اور شبانہ کے بغیر ایک پل بھی نہیں جی سکتا تھا۔؟

جہاں تک بہنوں کی شادی کا سوال تھا وہاں اُسے دور دور تک اُمید کی کوئی کرن نہیں دکھائی دے رہی تھی...... کوئی ڈھنگ کا رشتہ نہیں آرہا تھا..... پیغام آتے بھی تھے تو ان کے معیار کے نہ ہوتے تھے۔؟

اور دوسری جانب شبانہ تھی...... دلِ جاناں تھی.... اُس نے اُس سے فوراً شادی کرنے کا وعدہ کیا تھا اور وہ اُسے جلد از جلد اپنی دلہن بنا لینا چاہتا تھا.......!

وہ ایک عجیب الجھن میں گرفتار ہو گیا تھا۔!

وقار نے سگریٹ سلگایا اور گہرے گہرے کش لگانے لگا...... یہ اس کی اور شبانہ کی زندگی کا سوال تھا اور اُسے ہر قیمت پر اس سوال کا حل تلاش کرنا تھا...... ورنہ اس کی

زندگی زندہ درگور ہو سکتی تھی.....!

وہ اس مسئلے پر جتنا غور کر رہا تھا، اتنا ہی الجھتا جا رہا تھا...
کوئی راہ اُسے نہیں دکھائی دے رہی تھی ـــــ!

آخر سوچتے سوچتے وقار کے ذہن میں ایک ترکیب آگئی
..... یہ ترکیب ایسی تھی جس سے اس کے خاندان میں زبردست ہنگامہ ہو سکتا تھا ـــ حویلی میں زلزلہ آسکتا تھا..... اسے ننگ خاندان اور اوباش بھی کہا جا سکتا تھا.... اور بہت ممکن تھا کہ ابا حضور خان بہادر احمد رباحق اُسے عاق کر کے گھر سے نکال باہر کر دیتے ـــ؟

لیکن پھر اس نے سوچا کہ وہ یہ خبر کسی کو بھی نہیں ہونے دیگا ـــ اس لئے کسی طوفان اور زلزلے کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ـــ

اور وہ ترکیب تھی کہ وہ چوری چوری کسی کے کان میں بھنک ڈالے بغیر شبانہ سے خفیہ شادی کر لے ـــ؟

اس طرح سانپ بھی مر جائے گا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔!

اپنے چند دوستوں کے علاوہ وہ شبانہ سے نکاح کے وقت کسی اور کو مدعو نہیں کرے گا.... کسی کو خبر نہیں دے گا.....شادی کے بعد وہ شبانہ کو وہیں یا کسی اور جگہ رکھے گا اور جب حالات سازگار ہو جائیں گے..... اور اس کی بہنوں کی شادیاں

ہو جائیں گی تب وہ حویلی میں اپنی اور شبانہ کی شادی کا اعلان کر دے گا۔

راز ظاہر کر دے گا ــــ!

اپنی اس ترکیب سے وقار کے چہرے پر بہت دیر سے چھائی ہوئی اُداسی کسی کہرے کی طرح چھٹ گئی اور ہونٹوں پر امنگوں کی شوخ کلیاں مسکرانے لگیں..... اپنے بیاہ کے تصور سے ــ اپنے محبوب کو پا لینے کی تمنا نے اُسے ایک لذت اور سرور سے سرشار کر دیا۔

اب شبانہ سے وہ بہت دیر تک جدا نہیں رہ سکتا تھا!
اپنے اس تاریخی فیصلے سے وہ اپنے سب سے زیادہ عزیز اور پیارے دوست آفاق کو مطلع کرنے کے لئے حویلی سے باہر آیا وہ اُسے اپنی شادی میں شرکت کیلئے مدعو کرنا چاہتا تھا ــــ!

مینا ڈیوڑھی میں کھڑی چاٹ والے سے جھگڑ رہی تھی۔
"مرچ اور کھٹی چٹنی زیادہ ڈالا کرو..... ہم روز کے گاہک ہیں تمہارے..... اگر چاٹ کھانا بند کر دیا تو بس ——— سمجھ لو ——— ہاں ———"
"نہیں بی بی!..... جیسا آپ کہیں گی ویسا ہی چاٹ بناؤں گا ———" بوڑھا چاٹ والا گھگھیاتے ہوئے کہہ رہا تھا اور چاٹ بناتا جا رہا تھا۔
ٹھیک اسی لمحہ جب زونا ہاتھ میں پکڑے "سوں" "سوں" کرتی ہوئی چاٹ کھا رہی تھی اور چٹخارے بھی بھرتی جا رہی تھی وہ حویلی کے پھاٹک میں مسکراتا ہوا داخل ہوا..... اور

اُسے دیکھ کر ٹھٹھک گیا۔

"آخاہ..... ڈاکٹر صاحب! کیسے بھول پڑے......
تشریف لائیے ــــ"

ڈاکٹر طارق نے اپنی پلکیں پھڑپھڑائیں اور بولا ــ "اِدھر
سے گذر رہا تھا..... سوچا آپ سے ملتا چلوں ــــ!"

"مجھ سے ــــ؟"

"جی ہاں.... بات دراصل یہ ہے کہ.... دیپا جی کی
خیریت نہیں معلوم ہوئی تھی..... اسی بہانے آپ سے ملاقات
....." وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر اور گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھنے
لگا ــ "بہت گرمی ہے.... کیا خیال ہے آپ کا ــــ؟"

"جی کچھ ایسی زیادہ گرمی تو نہیں..... ہاں چاٹ کھائیں
گے آپ ــــ؟"

"چاٹ ــــ؟"

"جی ہاں! بہت مزے دار ہے چٹنی اور مصالحے دار...."
حنا شرارت سے بولی ــــ "اے بابا۔ ایک دونا بنا کر انہیں بھی
دو ــــ مرچیں ذرا زیادہ ــــ" آخری جملہ ذرا زور دے کر
اُس نے بوڑھے چاٹ والے سے ادا کیا تھا۔

ڈاکٹر طارق اپنے چہرے پر آیا ہوا پسینہ صاف کرنے
لگا تھا.......

حنا نے اُسے کن انکھیوں سے دیکھا پھر کہنے لگی ــــ "ڈاکٹر صاحب! آپ کے مزاج تو اچھے ہیں ــ"

"جج...... جی ہاں...... جی ہاں ــ"

"اب دیبا باجی کی طبیعت ٹھیک ہے..... لیکن وہ خاموش بہت رہتی ہیں..... دن بھر گھر بھر کے کام ڈھونڈ ڈھونڈ کر کرتی رہتی ہیں...... قسم سے..... اُن کی وجہ سے ہمیں بہت آرام ہے..... بہت خیال رکھتی ہیں ہمارا ــ"

"انہیں کوئی غم ہے.....!" ڈاکٹر طارق نے کھنکار کر بولا "..... اس غم کو بھلانے کے لئے ہی شاید وہ اپنے آپ کو زیادہ مصروف رکھتی ہیں..... مس حنا! آپ کے خیال میں انہیں کیا غم ہو سکتا ہے ــ؟"

"یہ تو میں نہیں جانتی ــ!"

"لیکن مجھے ایک شک ہے ــ؟"

"کیا ــ؟"

"اگر آپ بُرا نہ مانیں تو بتاؤں ــ"

"بتائیے..... میں بھلا بُرا کیوں مانوں گی ــ"

ڈاکٹر طارق نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور حنا کے چہرے پر امیق سی نظریں ڈالتے ہوئے کہا ــ "میرا خیال ہے..... دیبا باجی کو کسی سے..... کسی سے محبت تھی..... کیا تمہیں

اُن کی محبت کا علم ہے ۔۔۔؟"

"محبت ۔۔۔؟" حنا نے حیرت سے آنکھیں پھاڑی تھیں۔

"جی ہاں.... شدید پیار کیا ہے انہوں نے کسی سے......

انہیں اسی کا غم ہے..... کیونکہ وہ یہ محبت کا راز اپنے دل میں چھپائے

رہتی ہیں ۔۔۔"

"وہ..... ایسا ۔۔۔!" حنا گہری سانس لے کر رہ گئی.....

.... لیکن ڈاکٹر صاحب! مجھے تو اس کے متعلق کچھ بھی نہیں

معلوم ۔۔۔"

"اچھا.....!" ڈاکٹر طارق خاموش ہو گیا۔

"لو بابو جی..... چاٹ تیار ہے ۔۔۔" چاٹ والے نے

چاٹ کا دونا ڈاکٹر طارق کی طرف بڑھایا تھا۔

طارق نے چاٹ کھانا شروع کی..... لیکن مرچوں کی وجہ

سے سٹ پٹا کر رہ گیا اور زور زور سے سوں سوں کرنے لگا

..... ناک اور آنکھ سے پانی جاری ہو گیا.....

"کیسی لگی آپ کو یہ چاٹ ۔۔۔؟" حنا اُسے مرچوں سے

تلملاتا ہوا دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"اچھی ہے..... لیکن..... مرچیں بہت ہیں... ہاہا..... سوں

..... سوں ۔۔۔" وہ ناک سکوڑنے لگا تھا ۔ پھر اُس نے

جلدی جلدی جیسے تیسے چاٹ اپنے حلق سے اُتاری اور پتہ پھینک کر

رومال سے اپنے ہاتھ اور منہ صاف کرتا ہوا بولا...." پپ پانی
......آپ کو زحمت تو ہوگی مس حنا ——!"
"ابھی لائی ——" حنا پلٹ کر ڈیوڑھی کے اندر غائب
ہوگئی۔
ڈاکٹر طارق کھڑا مرچوں سے سوں، سوں کرتا رہا تھا ——
دوسرے ہی لمحے حنا نمودار ہوئی تو اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس
تھا —— "لیجئے ڈاکٹر صاحب ——"
ڈاکٹر طارق نے گلاس لے کر فوراً اپنے منہ سے لگا لیا اور
غٹا غٹ گھونٹ بھرتا ہوا ذرا سی دیر میں گلاس خالی کر گیا ——
"شکریہ مس حنا ——"
"اور کھائیں گے ——؟"
"جی نہیں.... میری توبہ.... ہاں آپ کب آ رہی ہیں ہماری
طرف.....؟"
"آپ کی طرف —— آپ کی طرف —— لیکن کیوں ——؟"
حنا نے حیرت سے اُسے دیکھا تھا۔
"بب.... بس..... یونہی..... یونہی....." ڈاکٹر طارق
گڑبڑا کر رہ گیا تھا..... "دیبا باجی کی..... خیریت ہی معلوم ہوتی
رہا کرے گی ——"
"دیبا باجی تو خیریت سے ہیں....." وہ شرارت سے بولی..

...."لیکن آپ کی خیریت ٹھیک نہیں معلوم ہوتی ڈاکٹر صاحب ...."

"کک.... کیا مطلب ....؟"

"کہیں آپ .... آپ ـــ حنا نے اُسے گھور کر دیکھا تھا ....

.... "کہیں مجھ سے ملنے کے لئے تو دیبا باجی کا بہانہ نہیں ڈھونڈ رہے ہیں ـــ؟"

"آ .... آپ سے ....؟"

"جی ہاں .... دیکھئے ڈاکٹر صاحب! میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں .... نہ پردے کی بوبو ہوں ..... آپ مجھے فلرٹ نہیں کر سکتے ـــ"

"لاحول ولا قوۃ ـــ" ڈاکٹر طارق کا چہرہ سرخ ہو گیا ....

.... "ہم .... میں تو .... دیکھئے آپ مجھے غلط مت سمجھئے ـــ"

"ویسے آپ خاصے اسمارٹ دکھائی دیتے ہیں ـــ" حنا اُسے اوپر سے نیچے تک بغور دیکھتے ہوئے بولی .... "کہیں کوئی چکر چل رہا ہے یا نہیں ـــ؟"

"چ چ .... چکر .... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں مس حنا .. اچھا میں چلتا ہوں ـــ" ڈاکٹر طارق کا بُرا حال ہو گیا تھا۔

"میری باتوں کا بُرا مت مانیئے گا ڈاکٹر صاحب ـــ"

"نن .... نہیں .... نہیں ....!"

حنا نے مسکراتے ہوئے کہا ـــ "مجھے بھی مذاق کرنے کی

کچھ عادت ہے ..... آپ دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں .....
اب میں آپ سے ضرور ملتی رہا کروں گی ۔"

"جی شکریہ ..... اچھا خدا حافظ ۔" وہ ایکدم جانے کے لئے پلٹ پڑا تھا، لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا وہ حویلی کے پھاٹک کی طرف چلا جا رہا تھا۔

حنّا اپنی چمکتی اور مسکراتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اُسے جاتا ہوا دیکھتی رہی تھی ..... اور جانے کیوں بعد میں اس کا چہرہ آپ ہی آپ گلابی ہو گیا تھا ..... وہ ڈاکٹر طارق کے بارے میں ہی سوچ رہی تھی ..... اُس کی باتوں پہ غور کر رہی تھی۔

جب وہ خالی گلاس اور ایک بڑے سے دونے میں چٹ پٹی مصالحے دار چاٹ بنوا کر اندر لوٹی تو امی حضور نے اُسے گھور کر دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے ۔۔۔ ؟" اُس نے حیرانی سے پوچھا اور پھر باری باری دیبا باجی، زیبا آپا اور ہما آپا کے چہرے تکنے لگی جو پُر اسرار انداز میں اُسے دیکھ رہی تھیں۔

"کون آیا تھا ۔۔۔ ؟"

"ڈاکٹر طارق ۔۔۔" حنّا نے بڑے سکون سے امی حضور کو جواب دیا۔

"کیوں! بہت گھل مل کر باتیں کر رہی تھیں اُس سے ۔۔۔ ؟"

"مجھ سے ملنے جو آیا تھا ـــ"

"تم سے ـــ" امی حضور نے اس کی بے حیائی پر آنکھیں پھاڑی تھیں ...." تم سے ملنے آیا تھا۔ کیا معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے ـــ؟"

"معاملہ .... کونسا معاملہ ـــ؟" حنّا نے حیرت سے دہرایا تھا .... "اچھا .... اب سمجھی ـــ آپ مجھ پر شک کر رہی ہیں ـــ"

"شک کرنے والی بات نہیں ہے کیا .... کیا جوان لڑکیوں کے یہ لچھن ہوتے ہیں ..... اب تمہاری اتنی ہمت ہو گئی ہے کہ لوگ تم سے ملنے اس حویلی تک آنے لگے ـــ؟"

"وہ دیبا باجی کی خیریت دریافت کرنے آئے تھے امی حضور"

"یہ تو ایک بہانہ ہے ـــ وہ تم سے ملنے آیا تھا یا پھر خود تم نے اُسے بُلایا ہو گا ـــ" امی حضور نے غراتے ہوئے کہا "دیکھو حنّا میں یہ باتیں اور چھچھوری حرکتیں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی"

"یہ مجھ پر الزام ہے امی حضور ـــ"

"یہ الزام نہیں حقیقت ہے .... وہ تم سے ملنے آیا تھا ..... تمہارے ساتھ ہنس ہنس کر اتنی دیر تک باتیں کرتا رہا ...."

حنّا نے غصّے سے ایک ایک کر کے چہرے کو گھورتے ہوئے چلا کر کہا ـــ "اگر آپ کو شک ہے تو پھر جان لیجئے کہ یہ حقیقت ہے .... یہ شک بے بنیاد نہیں .... وہ میرا دوست ہے .... اگر میں نے اُسے اس قابل سمجھا کہ وہ میرا شریک زندگی بن سکتا ہے

تو پھر دنیا کی کوئی بھی طاقت ہمیں ایک دوسرے سے جدا نہیں کر سکے گی .... آپ لوگ کان کھول کر سُن لیجئے .... اب وہ اس حویلی میں آئے گا تو مجھ سے ملنے آئے گا .... اور اُسے آنے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا ہے ــــ"

"حنّا ــــ!"

"حنّا نے غصّے سے خالی گلاس فرش پر کھینچ مارا ــــ ایک چھناکا ہوا اور کانچ کے ٹکڑے چاروں طرف بکھر گئے۔ چاٹ کا دونا بھی اس نے زمین پر پٹک دیا اور اپنے پاؤں زور زور سے زمین پر مارتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

ساری حویلی میں گہرا سناٹا چھا گیا تھا۔

امی حضور نے بڑبڑا کر کچھ کہا اور حنّا کی شکایت لے کر خان بہادر احمد ریاض کے کمرے کی طرف چلی گئیں۔

دیبا، زیبا اور رہما سہمی ہوئی سی کھڑی رہی تھیں ــ!

آفاقؔ کے دل میں پیار کی جو کونپل پھوٹی تھی اب وہ ایک تناور درخت میں تبدیل ہوگئی تھی ۔۔!

اُس بھری دوپہر کا وہ زخم جو اُس نے کھایا تھا وہ ابھی ٹیس دے رہا تھا.... دھیرے دھیرے جیسے پک رہا تھا...!

یہ کیا ہوگیا تھا اُسے ۔۔؟

اُس نے جیسے اپنا سب کچھ کھو دیا تھا اور کنگال ہوگیا تھا...... فقیر ہو کر رہ گیا تھا.... اب یہ فقیر اپنے محبوب کی دید کیلئے ہر وقت اپنی آنکھوں کی جھولی پھیلائے رہتا تھا کہ جانے کب کس وقت اُسے دیدار کی بھیک مل جائے..... ایک جھلک ہی نصیب ہوجائے ۔۔؟

لیکن دیدار کی بھیک اُسے کم ہی ملا کرتی تھی۔
آفاق نے یہ چوٹ کیا کھائی تھی کہ ایک درد مول لے لیا تھا.... اب وہ تڑپ رہا تھا.... کئی بار تو ایسا ہوتا تھا کہ بے اختیار غیر ارادی طور پر اُس کے پاؤں اپنے دوست وقار کی حویلی کی طرف اُٹھ جاتے تھے.... وہ وہاں تک پہنچ بھی جاتا تھا..... لیکن ہوش آنے پر دل شکستہ سا واپس لوٹ آتا ـــــ!

لیکن دید کی لگن کم نہ ہوتی ـــــ!
اُسے ڈر تھا کہیں اُس کی تڑپ اور محبت کا علم وقار کو نہ ہو جائے.... ورنہ دوستی دشمنی میں بھی بدل سکتی تھی.. .... اور یہ اُس کی قسمت نہیں تھی کہ وہاں شادی کر سکتا... .... ایک تو وہ بیکار تھا.... اور غریب بھی تھا.... اور کہاں وقار کا گھرانہ.....؟
آفاق کے دل سے ایک درد اُٹھا اور اس کے سارے وجود پر چھا گیا ـــ!
لیکن یہ کیسا انجانا بندھن تھا جو محبت نے آپ ہی آپ اُس کے اور اس لڑکی کے ساتھ بیچ دوپہر میں باندھ دیا تھا جب وہ اُس سے ٹکرائی تھی.... یہ کیسا رشتہ تھا.... یہ کونسا ناطہ تھا ـــ؟

کئی کئی بار وہ حویلی تک جاتا اور ایک چکّر لگا کر واپس لوٹ آتا...... آفاق کی ہمت حویلی کے اندر جانے کی نہیں ہوتی تھی.. .... لیکن جب کبھی اس کا دل اُسے بے چین اور بے قرار کر دیتا تو وہ پھر وقار سے ملنے کا بہانہ کر کے حویلی پہنچ جایا کرتا تھا... اُس حویلی میں جہاں اُس کا چاند تھا.... پردہ نشین محبوبا تھا .....جہاں اس کے حسین خواب تھے ـــــ!

آفاق اپنے کمرے میں پڑا ہوا اس لڑکی کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا کہ جس کے وہ نام تک سے بھی واقف نہیں تھا کہ اچانک دروازہ ایک پر شور آواز میں کھلا اور وقار اندر داخل ہوا ـــــ!

"ارے وقار تم...... کیسے بھول پڑے یار ـــــ؟" آفاق جلدی سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

وقار نے ایک گہری سانس لی اور پھر مسکراتے ہوئے بولا ـــــ "ایک خوش خبری سنانے آیا ہوں تمہیں!"

"اچھا.... آؤ بیٹھو ـــــ"

وقار کرسی پر بیٹھ گیا تو آفاق نے اُسے سگریٹ پیش کرتے ہوئے پوچھا ـــــ "کیا خوش خبری ہے یار ـــــ؟"

"شادی ـــــ!"

"شادی ـــــ" آفاق نے حیرت سے دہرایا اور جلدی جلدی

اپنی پلکیں جھپکانے لگا تھا۔

"ہاں شادی!..." وقار نے خوشی سے جھومتے ہوئے کہا۔ "ہم شادی کر رہے ہیں..... شبانہ اور ہم نے شادی کا فیصلہ کر لیا ہے میرے دوست۔"

"میری طرف سے مبارکباد قبول کرو..... یہ تو واقعی بہت بڑی خوشخبری ہے۔"

"ہے نا؟"

"تم خالی ہاتھ کیوں آئے..... مٹھائی کا ڈبہ کہاں ہے یار۔" آفاق نے بائیں آنکھ ماری تھی..... "ہم یونہی خالی خولی خوشخبری سننے والوں میں نہیں ہیں۔"

"گھبراؤ نہیں دوست..." وقار سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے بولا۔ "یہ فیصلہ ایکدم کیا گیا ہے اور ہم جلدی میں تمہیں مدعو کرنے چلے آئے۔"

"کیا مطلب؟" آفاق چونکا تھا۔

"ہم یہ شادی چھپ کر کر رہے ہیں۔" وقار گہری سانس لے کر کہنے لگا۔ "تم تو جانتے ہی ہو یار ہمارے گھر والے کتنے قدامت پسند ہیں، اتنی جلدی اور یوں بغیر کسی چھان بین کے ہرگز شادی نہیں کرنے دیں گے، اس لئے ہم نے چھپ کر شادی کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور چونکہ تم ہمارے گھر سے اور

بچپن کے دوست ہو اس لئے صرف تمہیں ہی اس شادی میں شریک ہو کر انتظام سنبھالنا ہے —"

"اوہ .... تو یہ بات ہے —"

"اور رہی مٹھائی کی بات تو پیارے پیٹ بھر کر کھا لینا، تمہارے لئے مٹھائی کی کوئی کمی ہے —؟"

"ایک بار پھر میری طرف سے مبارکباد قبول کرو —"

"شکریہ دوست —"

"اچھا بتاؤ! کیا پیو گے .... ٹھنڈا یا گرم —؟" آفاق نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں —"

"واہ یہ کیسے ہو سکتا ہے —؟"

"نہیں .... واقعی اس وقت کچھ نہیں، بہت جلدی میں ہوں —"

"آفاق نے انکار کے انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا — "میں تمہاری اس وقت کچھ نہیں سنوں گا، چائے پی لو، ابھی ایک منٹ میں بن جائے گی ...."

"مگر ....؟" وقار کا جملہ ادھورا ہی رہ گیا، کیونکہ آفاق چائے کا کہنے اندر چلا گیا تھا۔

وقار بے قراری کے عالم میں سگریٹ پھونکنے لگا۔

چند لمحوں میں ہی آفاق واپس آگیا اور کہنے لگا "شادی تو دھوم دھڑاکے سے ہوگی نا ۔۔۔۔؟"

"نہیں یار کہہ جو رہا ہوں خاموشی سے کر رہا ہوں! صرف چپکے سے نکاح کر لوں گا۔۔۔۔ ہنگامے بعد میں ہوتے رہیں گے جب کہ حالات درست ہو جائیں گے"

"اپنی شریک حیات کا کیا نام بتایا تھا تم نے ۔۔۔؟"

"شبانہ ۔۔۔"

"شبانہ۔۔۔۔۔ خوبصورت اور پیارا نام ہے ۔۔۔" آفاق دھیرے سے مسکرایا تھا۔

"نام تو جیسا ہے۔۔۔۔ لیکن خود بھی بہت خوبصورت ہے"

"بہت پسند ہے ۔۔۔" آفاق شرارت سے مسکرایا تھا۔

"بہت ۔۔۔!"

اس سے پہلے کہ آفاق کچھ اور کہتا اندر سے ملازم لڑکا چائے لے آیا۔ آفاق اپنے اور وقار کے لئے چائے بنانے میں مصروف ہو گیا۔

چائے پینے کے دوران خاموشی رہی۔

وقار نے جلدی جلدی چائے کا کپ خالی کیا اور جانے کیلئے اٹھ گیا ۔۔۔ "اچھا دوست شکریہ! اور بھولنا نہیں جمعہ کے دن شام سات آٹھ بجے ۔۔۔"

"یہ بھولنے والی بات نہیں ہے ۔"

"اچھا خدا حافظ ۔" وقار نے کہا اور چلا گیا۔

"خدا حافظ ۔" آفاق نے دھیرے سے دہرایا اور سوچنے لگا، دوست تم خوش قسمت ہو، تم نے محبت کی اور اب شادی بھی کر رہے ہو..... لیکن میں.... ایک میں ہوں کہ تمہاری بہن کا نام تک نہیں جانتا..... بس چپکے چپکے اُس پاکیزہ سی مقدس لڑکی کو پوجے جا رہا ہوں..... کیا میری محبت بھی تمہاری محبت کی طرح کامیاب ہوگی.... کیا میں بھی اُس لڑکی سے شادی کر سکونگا جس نے میرا دل لوٹ لیا ہے ۔؟

شبانہ دلہن بنی بیٹھی ہوئی تھی — !

آج جمعہ تھا اور نکاح کا وقت رات کے آٹھ بجے طے ہوا تھا، یہ سارے معاملات چپ چاپ طے پا گئے تھے...... کیونکہ وقار کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی دوسرا راستہ نہیں تھا..... وہ اپنی شادی خفیہ طور پر کرنے کے لئے مجبور تھا!

شبانہ کی مانگ میں روپہلی افشاں چمک رہی تھی۔ ہاتھوں میں مہندی رچی ہوئی تھی اور سرخ جوڑے میں سر پر جھومر اور ماتھے پر ٹیکا لٹکائے، ناک میں بڑی سی نتھنی ڈالے وہ بے حد خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔

وہ دلہن تو بن گئی تھی لیکن اس کے دل میں ہزاروں وسوسے

اپنا سر اٹھا رہے تھے ..... اس کی خوشیوں کو اپنے بوجھ تلے کچل رہے تھے ــــ اُس کا ماضی اُسے کچوکے لگا رہا تھا .....
وہ اپنا ماضی وقار کے سامنے رکھنا چاہتی تھی .... لیکن وقار .... وہ تو پچھلی باتوں کو سننا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اُسے ہر بار روک دیتا تھا ــــ!

شبانہ نے اپنے اردگرد بیٹھے ہوئے چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کو دیکھا ــــ اور اُس کے بعد اُس کی نظریں پھسلتی ہوئی اپنی بوڑھی اور نحیف ماں کی طرف چلی گئیں ..... اب وہ اُس کے جانے کے بعد اکیلی رہ جائے گی .... اس کا سہارا بھی اس سے چھن جائے گا .... وہ واحد سہارا تھی اپنی ماں کیلئے ..... اپنے باپ کی موت کے بعد اگر وہ سارا انتظام نہ سنبھال لیتی تو اس کے ننھے چھوٹے بھائی بہن مفلسی اور بھوک کا شکار ہو کر دردر کے بھکاری بن جاتے ..... اس کی ماں صدمے سے فوراً جان دے دیتی .... اور خود وہ .....؟

شبانہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ سوچ سکی .... کیونکہ اسی وقت ایک کار اُس کے دروازے پر آ کر رکی اور وقار سہرا باندھے اپنے چند دوستوں اور قاضی صاحب کے ساتھ باہر نکلا اور ڈرائنگ روم میں بچھے قالین پر آ کر بیٹھ گیا۔

پورے گھر میں ہل چل مچ گئی .... شبانہ کے محلے اور

پڑوسیوں کے لوگوں نے اس چھوٹی سی بارات کا شاندار استقبال کیا..... شربت اور پالوشا سے مہمانوں کی تواضع کی گئی.... اور اس کے بعد نکاح کی تیاریاں ہونے لگیں۔

عشا کی نماز کے بعد وقار کا نکاح شبانہ کے ساتھ پڑھوا دیا گیا۔

وقار کی طرف سے اس کا عزیز اور قریبی دوست آفاق ہر کام میں پیش پیش تھا اور اس بارات کا سارا انتظام اسی کے ہاتھوں میں تھا..... اس شادی پر وہ بے حد مسرور اور خوش تھا۔

نکاح کے بعد پر تکلف کھانا کھایا گیا اور اس کے بعد رخصتی کی تیاری ہونے لگی—!

وقار نے دوسری جگہ ایک عمدہ سا فلیٹ کرائے پر لے لیا تھا، اس لئے وہ شبانہ کو رخصت کرا کر سیدھا نئے فلیٹ میں لایا..... اور دلہن بنی ہوئی شبانہ شب عروسی والے کمرے میں پھولوں کی سیج پر گٹھری سی بن کر بیٹھ گئی.....

وقار کافی دیر تک، اپنے دوستوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھا قہقہے لگا کر ہنسی مذاق کرتا رہا، پھر جوں جوں رات بڑھتی گئی دوست ایک ایک کر کے رخصت ہوتے گئے......

سب سے آخر میں آفاق نے اجازت چاہی۔

"اچھا دوست! میری طرف سے دلی مبارکباد قبول کرو۔"

تیا ہمسفر اور شریکِ زندگی مبارک ہو..... زندگی کی سچی خوشیاں تمھیں نصیب ہوں..... بس اس پُرمسرت موقع پہ ہمارے لئے بھی دعا کر لینا۔"

"آفاق ــ" وقار نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔

"اچھا ــ شب بخیر ــ" آفاق اس سے رخصت ہو کر چلا گیا۔

وقار کافی دیر تک کھڑا رہا، پھر اُس نے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ بند کیا اور ایک ایک قدم بڑھاتے ہوئے وہ شبِ عروسی کے کمرے کی طرف بڑھنے لگا۔

دروازہ پر آ کر وہ رک گیا۔

شبانہ سرخ کپڑوں میں لپٹی ہوئی گھونگھٹ کاڑھے سر جھکائے بیٹھی ہوئی تھی..... وقار دروازے پر کھڑا کتنی دیر تک اسے تکتا رہا..... اپنی دھڑکنوں کو سنبھالتا رہا..... آج اُس نے اپنی منزل پا لی تھی..... کتنا را پا لیا تھا ــ!

پھر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا پھولوں سے لدی اور خوشبوؤں سے بسی ہوئی سیج کے قریب آیا اور دھیرے سے شبانہ کے پاس بیٹھ گیا۔

شبانہ کا سر کچھ اور نیچے جھک گیا تھا۔!

چند لمحوں تک دونوں کے دل ایک ہی ساز پر دھڑکتے رہے اور پھر وقار نے اپنے اوپر قابو پا کر مدھم لہجے میں پکارا۔ "شبانہ ــ؟"

لیکن شبانہ نے کوئی جواب نہیں دیا، شرم وحیا نے آج اُسکی زبان بند کردی تھی..... منہ میں تالے ڈال دیئے تھے۔

"شبانہ—" وقار نے آہستہ سے پھر اس کا نام لیا اور اپنے ہاتھ بڑھا کر اُس کا گھونگھٹ تھام لیا، اس کے بعد وہ اس کا گھونگھٹ دھیرے دھیرے اوپر اُٹھانے لگا.....

گھونگھٹ الٹ کر ایک چاند سا چہرہ اُس کے سامنے آگیا..... لیکن وہ اس کی ایک ہی جھلک دیکھ سکا کیونکہ دوسرے ہی لمحے شبانہ کے حنائی ہاتھوں نے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا تھا.....

"اب ہم سے یہ شرم کیسی شبانہ—" وہ مسکرا کر بولا ..... "چاند سے یہ پردہ ہٹاؤ، ہم اسے دیکھنے کے لئے بیتاب ہیں....."

جب شبانہ نے کوئی جنبش نہیں کی تو وقار نے اس کی انگلیاں پکڑ کر اس کے ہاتھ اُس کے چہرے سے ہٹا لئے..... شبانہ کی آنکھیں بند تھیں۔

"سبحان اللہ—" بے اختیار وقار کے منہ سے نکل گیا ..... "دلہن کے روپ میں آج تم کتنی حسین دلکش لگ رہی ہو شبانہ..... اپنی آنکھیں تو کھولو.....؟"

شبانہ نے اپنی غلافی پلکیں اوپر اٹھائیں تو آنسو بھی ٹپک پڑے

"ارے.... یہ کیا.... شبانہ یہ آنسو....؟"

"یہ خوشی کے آنسو ہیں میرے سرتاج.. شبانہ نے دھیرے سے جواب دیا.... آج مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے آسمان کو چھو لیا ہے ––"

وقار نے اس کے ہاتھ اوپر اٹھا کر ان پر اپنے جلتے ہوئے گرم گرم ہونٹ رکھ دیئے۔

شبانہ حیا سے دوہری ہو گئی۔

آج تو ہم سے نہ شرماؤ شبانہ.... آج رات ہماری زندگی کی انوکھی رات ہے.... اسی رات سے ہم دونوں اپنی نئی زندگی کا آغاز کریں گے.... آج کی رات کے لمحے لمحے کو اپنی گرفت میں لے لو.... اسے خالی نہ جانے دو.... اپنا دامن ان لمحوں کی خوشبوؤں سے بھر لو.... کیونکہ یہی لمحے ہمیں ساری زندگی خوشیاں دیتے رہیں گے.... موتی لٹاتے رہیں گے ––"

شبانہ وقار کا ہاتھ ہولے سے دبا کر رہ گئی۔

پھر دوسرے ہی لمحے وقار نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا.... پھولوں کی مہک اور عطر کی خوشبو اور دلوں کے مچلتے ہوئے پیاسے جذبوں نے ان پر ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دی.... اور پھر ان کے ہونٹ ایک دوسرے کے ہونٹوں میں پیوست ہوتے چلے گئے....

وقار شبانہ کو دیوانہ وار چومتا ہی چلا گیا۔

اور باہر رات ہولے ہولے گذرتی رہی ––!

آہٹ ہوتے ہی زیبا نے کھڑکی کا ایک پٹ کھولا.... اور
پھر دوسرے ہی لمحے اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔
کیونکہ آفاق حویلی میں داخل ہو رہا تھا۔
اوپر چھت والے کمرے میں وہ گھنٹوں بیٹھی آفاق کی راہ
تکتی تھی..... اور کروشیا سے یا تو جالی کے میز پوش اور
توان پوش بنتی رہا کرتی یا ریشم سے رومال اور تکیہ کے غلاف
کاڑھا کرتی..... لیکن پتہ کھڑکنے سے بھی وہ چونک جایا کرتی
تھی.... اور اپنی متوحش آنکھوں سے وہ چاروں طرف
دیر تک دیکھا کرتی تھی..... اسے اس حالت میں دیکھ کر اس
کی رازدار سہیلی راقیہ ہمیشہ یہ شعر پڑھا کرتی تھی۔

آہٹ پہ کان، در پہ نظر، دل میں اشتیاق
کچھ ایسی بے خودی ہے ہمیں انتظار کی

اور یہ حقیقت تھی کہ یہ شعر اس پر پورا پورا صادق آتا تھا...
.... ایسی ہی حالت ہو گئی تھی اس کی، آفاق نے تو جیسے اس پر جادو سا کر دیا تھا.... حواسوں پر چھا گیا تھا وہ...... پیار کا آسمان بن کر چاروں طرف یہاں سے وہاں تک پھیلا ہوا تھا—

اس وقت بھی وہ آفاق کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی — آجکل وہ روزانہ یا ایک آدھ دن گول کر کے برابر آ رہا تھا...... زیبا کو خوب اچھی طرح احساس ہو گیا تھا کہ وہ بھی اسی آگ میں جل رہا ہے جس آگ میں وہ جلتی رہتی ہے...... دونوں طرف آگ برابر لگی ہوئی تھی —!

جس وقت زیبا نے کھڑکی کا پٹ کھول کر نیچے آفاق کو دیکھا...... ٹھیک اسی لمحہ آفاق نے بھی اپنی نگاہیں اٹھا کر اس کھڑکی کی طرف پُرشوق نظروں سے دیکھا.... اور اُسے وہاں موجود پا کر اُسکا چہرہ کسی گلاب کی مانند کھل اٹھا تھا۔

پھر زیبا کو کھڑکی میں سے چوری چوری جھانکتے دیکھ کر آفاق نے اِدھر اُدھر دیکھا اور اپنی جیب سے ایک پرچہ نکال کر اُسے چپکے سے درخت کی ایک شاخ میں پھنسا دیا اور اسکے ساتھ ہی تیزی سے

وہ وقار کے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا۔!

زیبا کا دل ایکبارگی تو زور سے دھڑک اٹھا..... یہ سوچتے ہی کہ آفاق نے کوئی خط اس کے لئے ہی شاخ میں اٹکایا ہے...... اس کے جسم کا رواں رواں کھڑا ہو گیا تھا..... ایک عجیب سی سنسنی اس کے اندر دوڑنے لگی تھی اور اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے پڑتے جا رہے ہوں۔؟

ہائے...... کتنا بڑھ تھا وہ.... اگر کسی نے دیکھ لیا تو...

زیبا کپکپا کر رہ گئی..... وہ اپنی چھوٹی بہن حنا تو تھی نہیں جو بیخوف وخطر ہر ایک کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہو جاتی ہے..... وہ تو جیتے جی مر جائے گی..... کیونکہ وہ بے حد کمزور دل لڑکی تھی اور کسی کا بھی سامنا نہیں کر سکتی تھی۔؟

شرم سے وہ پانی پانی ہوئی جا رہی تھی..... اور اُس کے ہوش اُڑے جا رہے تھے..... اگر آفاق کا وہ خط کسی اور کے ہاتھ لگ گیا تب..... تب وہ کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہے گی..... وہ اپنے پیار کی رسوائی سے ڈرتی تھی.....

وہ لاکھ چاہتی کہ حنا کی طرح وہ بھی باغی ہو کر ساری دنیا سے ٹکرانے کے لئے کمر کس لے..... لیکن دوسرے ہی لمحے اس کا یہ عزم صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا تھا؟

آفاق اُسے دکھا کر شاخ میں خط اٹکا گیا تھا ــــ اب وہ اسے وہاں سے جا کر کیسے لائے..... اگر نہیں لاتی تھی تو خدشہ تھا وہ خط کسی اور کے ہاتھ لگ جائے گا..... یہ سوچ سوچ کر وہ پریشان ہوئی جا رہی تھی۔

آخر گھبرا کر وہ کھڑی ہو گئی..... اوپر سے نیچے اُتر آئی اور باہر مردانے حصّے کی طرف جانے کے لئے کوئی ترکیب سوچنے لگی..... جہاں سے وہ آفاق کا خط لا سکے..... خط پڑھنے کی خواہش بھی اس کے اندر شدید شدید تر ہوتی جا رہی تھی ــــ؟

حنّا کالج گئی ہوئی تھی..... زیبا باجی اپنے کمرے میں بند تھیں، ہما اور امی حضور صندوقوں میں بھرے ہوئے کپڑوں کو دھوپ دکھانے کے لئے بھاری بھاری جوڑے اندر سے لا کر آنگنا میں دھوپ میں رکھتی جا رہی تھیں..... صرف گلشن بوا دوپہر کا کھانا پکانے میں باورچی خانہ میں موجود تھیں..... اور بشیر میاں ڈیوڑھی میں اپنا حقّہ گڑگڑا رہے تھے۔

زیبا کو ایک ترکیب سوجھی اور وہ سیدھی ڈیوڑھی کی طرف بڑھی..... بشیر میاں نے حقّہ گڑگڑاتے ہو چونک کر پوچھا...

"..... کیا بات ہے زیبو بیٹی..... ؟"

"گلدستہ کے لئے کچھ پھول اور کلیاں توڑنا ہیں بشیر میاں۔"

"ابھی لاتا ہوں توڑ کر ــــ"

"نہیں .... تم رہنے دو بشیر میاں! میں جس طرح کے پھول چاہتی ہوں وہ میں جا کر خود چھانٹ لوں گی ....."

"اچھا چلی جاؤ .... باہر اس وقت کوئی نہیں ہوگا۔"

زیبا نے گردن ہلائی اور ڈیوڑھی سے باہر نکل آئی .....

اس کے قدم چلتے ہوئے لڑکھڑا رہے تھے ... اور دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ چہرے پر پسینے کی ننھی ننھی بوندیں لرز رہی تھیں ..... شبنم کی طرح پیشانی پر بکھر رہی تھیں۔

خوف سے سہمی ہوئی زیبا اس جگہ پہنچی جہاں آفاق نے درخت کی شاخ میں خط اٹکایا تھا اس نے چور نظروں سے ادھر اُدھر دیکھا اور ہاتھ بڑھا کر جلدی سے وہ خط اپنی مٹھی میں لیکر بھینچ لیا اور ڈیوڑھی کی طرف تیزی سے بھاگ آئی ۔!

"کیا بات ہے زیبی بیٹی ..... پھول لے آئیں .....؟"

"بہت دھوپ ہے بشیر میاں شام کو دیکھا جائے گا ۔" یہ کہتی ہوئی زیبا آفاق کا خط چھپائے دوبارہ زینے کی طرف بھاگتی چلی گئی ۔

ہانپتی کانپتی وہ سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچی اور دھپ سے جا کر کمرے میں مسہری پر جا گری ..... دل ابھی تک بری طرح دھڑک رہا تھا ..... پورا جسم پسینے سے شرابور ہوگیا تھا ۔!

کچھ دیر بعد اُس نے اپنی بے ترتیب سانسوں پر قابو

پالیا تو اُس نے مٹھی میں دبا ہوا آفاق کا خط نکالا اور دھڑکتے دل کے ساتھ کھول کر اُسے بے تابی اور اشتیاق کے ساتھ پڑھنے لگی —!

یہ رُکے رُکے سے آنسو، یہ گھٹی گھٹی سی آہیں
یونہی کب تلک خدارا! غمِ زندگی نبھائیں

..... جب سے آپ کو دیکھا ہے ..... تب سے کسی پل چین نہیں ملا ہے، آنکھوں سے نیند اُڑ گئی ہے اور دل سے قرار جاتا رہا ہے ..... دن رات پاگلوں کی مانند بھٹکتا رہتا ہوں ..... آپ کو دیکھنے کی چاہ میں آپ کی گلیوں کے سو سو پھیرے ڈالتا ہوں .... اور جب دور سے آپ کی ایک جھلک دیکھ لیتا ہوں تو تھوڑی دیر کے لئے سکون آجاتا ہے ..... لیکن پھر وہی بے تابی، وہی بے قراری طاری ہو جاتی ہے —

خدارا ..... اس کا علاج بتائیے ..... ورنہ زندگی گھٹ گھٹ کر ختم ہو جائے گی ..... اگر آپ مجھے زندہ سلامت دیکھنا چاہتی ہیں تو ..... تو کہیں بھی کیسے بھی ہو .... ایکبار ملنے کی راہ نکالیں ..... اگر یہ ملاقات نہ ہو سکی تو آپ کا یہ دیوانہ اپنی جان دیدے گا ..... آپ کے اوپر مٹ جائے گا ..... فنا ہو جائے گا —!

آپ کے محبت نامے کا بے چینی سے انتظار رہے گا —!

خط کے نیچے کسی کے دستخط نہیں تھے..... زیبا نے دوسری بار خط پڑھا... پھر پڑھا..... پھر پڑھا... جتنی بار وہ اس خط کو پڑھتی تھی ویسے ہی ویسے کسی نہاں خلش اور کسک کو اپنے دل میں محسوس کرتی تھی..... یہ درد بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا.... اس کے سارے وجود میں پھیلتا ہی چلا جا رہا تھا — !

ناگاہ — اس نے خط اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا.... اُسے یقین نہیں آ رہا تھا..... لیکن یہ حقیقت تھی کہ آفاق بھی اس کی محبت میں تڑپ رہا تھا.... جس طرح وہ مضطرب رہا کرتی تھی..... اسی طرح وہ بھی بے چین تھا.... محبت کی دھیمی دھیمی آگ میں جل رہا تھا.... آہستہ آہستہ سلگ رہا تھا — !

زیبا کو یہ سوچ کر بے حد شرم آ رہی تھی کہ وہ اس سے ملاقات کرنا چاہتا تھا.... یہ خیال ہی زیبا کے لئے ایک امتحان سے کم نہیں تھا.... کاش وہ بھی حنا کی طرح خود سر اور ضدی ہوتی اور آزادی سے جس کسی سے چاہتی ملا کرتی۔ لیکن زیبا اپنے اندر اتنی ہمت نہیں پاتی تھی کہ وہ چوری چھپے آفاق سے ملاقات کرے؟ اُسے آفاق کے پیار میں گھٹ گھٹ کر مر جانا پسند تھا... لیکن اپنی بدنامی، خاندان کی عزت اور وقار کی خاطر چوری چوری ملاقاتیں پسند نہیں تھیں.... کیونکہ وہ ایک بزدل اور ڈرپوک لڑکی تھی.... حویلی کے حصار میں قید تھی وہ.... اور شدید خواہش کے

باوجود وہ اپنے محبوب آفاق سے مل نہیں سکتی تھی — !

بے اختیار زیبا کی آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔

اپنی بے بسی، مجبوری اور کم ہمتی پر آنسو اُس کے پلکوں پر جھلملانے لگے.... کاش اس میں ہمت ہوتی.... حوصلہ ہوتا.... اتنی طاقت ہوتی کہ آفاق کے خط کا جواب بھی دے سکتی.... اس سے مل بھی سکتی.......

لیکن اس کی دنیا میں تو اس حد تک سوچنا بھی گناہ تھا....؟

وہ کیا کرے.... کیا کرے.... زیبا نے دل ہی دل میں دہرایا اور آنسو ٹوٹ کر اس کے دامن کو بھگونے لگے.....

آنسوؤں کو رخسار پر سے پونچھتے ہوئے زیبا نے سوچا.... آفاق نے یہ شعر اپنے ہی لئے نہیں اس کے بھی حسب حال لکھا تھا۔

یہ رُکے رُکے سے آنسو، یہ گھٹی گھٹی سی آہیں

یونہی کب تک خدارا، غمِ زندگی نبھائیں

زیبا ایکبار پھر خط پڑھنے میں مصروف ہو گئی تھی.... خط پڑھتی جا رہی تھی اور دل میں کھٹک بھی بڑھتی جا رہی تھی.....

یہ کانٹا کون چبھویا کرتا ہے..... یہ اُسے نہیں معلوم تھا —؟

دیپا اب کسی کے کام کو منع نہیں کرتی تھی.....؟

جو کوئی بھی اسے جیسا حکم دیتا وہ اسے بجا لاتی..... انکار کر کے

وہ کسی کا بھی دل نہیں توڑنا چاہتی تھی.....

ہر کسی کی فرمائش پوری کر کے اب اسے سکون ملتا تھا اور

خوشی ہوتی تھی..... لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے اس ضدی،

خود سر اور شرارتی لڑکے کی بھی یاد تڑپا جایا کرتی تھی جس کی آخری

خواہش وہ اپنی ہٹ دھرمی کے باعث پوری نہیں کر سکتی تھی.....

وہ مایوس، نامراد چلا گیا تھا..... چلا گیا تھا کبھی نہ واپس آنے کیلئے

..... ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رخصت ہو گیا تھا.....

بعد میں بس اس کی خبر ہی آئی تھی۔

...... اس وقت بھی گاؤں سے آکر انشرت بھائی نے اُسے اپنا کرتہ اور پاجامہ سینے کے لئے کپڑا دیا تھا وہ انکار نہیں کر سکتی تھی...... لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ اسے راشد کا خیال بھی آ گیا تھا جس نے اسی طرح اس سے ایک فرمائش کی تھی...... اُس سے سوئٹر بننے کی فرمائش کی تھی اور اُس نے راشد کی یہ فرمائش بے رخی سے ٹھکرا دی تھی...... بڑے غرور نخوت کے ساتھ اس نے راشد سے سوئٹر بننے سے صاف انکار کر دیا تھا......؟

دیپا سوچتی...... اب وہ تمام عمر پچھتاوے کی آگ میں جلتی رہے گی...... یہ دکھ اُسے زندہ درگور رکھے گا اُس نے راشد کی اتنی معمولی فرمائش پوری نہیں...... یہ ارمان وہ اپنے دل میں لے کر ہی اس دنیا سے چلا گیا۔

ہاں...... وہ جانتی تھی راشد اپنی موت نہیں مرا تھا...... اُس کی بے رخی اور جھوٹے غرور نے اُس کی جان لی تھی...... اور موت نے راشد کو کتنی آسانی سے گلے سے لگا لیا تھا...... اس سے چھین لیا تھا——!

دیپا نے ایک گہری سانس لی اور گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا...... اُس کا دل بے قابو ہونے لگا تھا اس لئے وہ تیزی سے اٹھی اور صراحی سے پانی انڈیل کر پورا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر گئی...... ٹھنڈے پانی سے اُسے قدرے سکون نصیب ہوا

تھا ---!

وہ اشرف بھائی کا کرتے پاجامے کا کپڑا لے کر ہتنا کے پاس گئی اور اُسے سینے بیٹھ گئی ...... لیکن یہ کام کرتے ہوئے اُسے برابر راشد کا خیال آتا رہا ..... اس کی یاد ستاتی رہی ..... وہ راشد کی موت کا غم کبھی نہیں بھلا سکتی تھی ---؟

راشد جس نے سوئٹر بننے کی فرمائش سے پہلے ہی اپنی موٹر سائیکل کو ایک ڈیزل ٹرک سے ٹکرا دیا تھا ..... ویسے بھی وہ ہمیشہ تیز رفتاری کا قائل تھا۔ سست رفتاری سے جینا اسے سخت ناپسند تھا ..... اس کا قول تھا کہ یہ جیٹ کا زمانہ ہے ..... تو جیٹ کی رفتار سے ہی جیو ..... چیونٹی کی چال سے جینا کوئی جینا تھا .. کتنا منع کیا کرتے تھے --- لوگ ..... لیکن راشد کسی کی سنتا ہی کب تھا ..... اپنی تیز رفتاری میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں آنے دیتا تھا --- اپنی موٹر سائیکل پر وہ ہمیشہ ہواؤں سے باتیں کیا کرتا تھا ---!

اور اُس دن وہ اسی تیز رفتاری کی نذر ہو گیا۔

جس تیز رفتاری سے وہ جینا چاہتا تھا ...... اسی تیز رفتاری سے اُس نے موت بھی قبول کر لی تھی --- مرنے میں بھی اُس نے اسی تیز رفتاری کا مظاہرہ کیا تھا ..... اور اپنے قول کو ثابت کر دکھایا تھا ..... !

آواز دے تو کہاں ہے

دنیا میری، جواں ہے

نور جہاں کی آواز کا یہ ریکارڈ اندر ہما نے گراموفون پر چڑھا دیا..... تو دیبا کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا..... اور آنکھیں تو دیکھو پھٹی کی پھٹی چلی گئیں..... راشد اسے شدت سے یاد آنے لگا.... وہ جو دیبا کی جھوٹی شان، جھوٹی نخوت اور غرور پر قربان ہو گیا تھا۔ دنیا چھوڑ بیٹھا تھا..... ہرجائی..... سنگدل.....!!

دیبا نے دوپٹے کے پلّو سے اپنے آنسو خشک کئے اور دوبارہ مشین پر سر جھکا کر اشرف بھائی کا علی گڑھ کاٹ کا پاجامہ سینے میں مصروف ہو گئی۔

اسی وقت ٹہلتے ٹہلتے اشرف بھائی اس طرف آ نکلے.......

"دیبا بیگم! میرا کرتہ کلی دار کاٹ کر سینا ـــ"

"جی ہاں! مجھے معلوم ہے آپ کلی دار کرتہ پہنتے ہیں..... " وہ مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی "آپ اس بار کینتھہ نہیں لائے ہمارے لئے.....؟"

"ایکدم آنا ہو گیا..... اسی وجہ سے کینتھہ توڑوا نہیں سکا تھا....."

"تو کچی کچی املیاں ہی لیتے آئے ہوتے ـــ"

"کتابیں ———؟"

"جی ہاں ——!"

"اب کی بار دونوں چیزیں ضرور لیتا آؤں گا دیبو ——" اشرف بھائی کی آواز میں کتنی مٹھاس اور اپنائیت تھی۔

"وعدہ ....."

"وعدہ ....." اشرف بھائی مسکرا کر وہیں اس کے پاس ہی بیٹھ گئے ..... "لاؤ پہلے میرے لئے ایک پان بنا کر لے آؤ ....."

"اللہ ..... کام کرنے سے اٹھنا ....." وہ جھٹ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

امی حضور کے پاندان سے اشرف بھائی کے لئے نفاست سے پان بناتے ہوئے دیبا یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ اشرف بھائی اس کے اوپر کچھ ضرورت سے زیادہ ہی مہربان رہتے ہیں اور گاؤں سے آنے کے بعد اس کے آگے پیچھے پھرا کرتے ہیں ..... بہانے بہانے سے اپنا کام کرواتے ہوئے انہیں کتنی خوشی حاصل ہوتی ہے ——؟

"پان حاضر ہے اشرف بھائی ! ——"

"شکریہ ..... شکریہ ....." وہ پان کی گلوری منہ میں رکھتے ہوئے بولے ..... "دیبو تمہارے ہاتھ کے پان میں جانے کیا بات ہے کہ منہ رچ جاتا ہے ——"

"آپ بناتے ہیں خوب ہیں اشرف بھائی ___" وہ دوبارہ اُن کا کرتہ اور پاجامہ سینے مشین کے اندر بیٹھ گئی۔
"کبھی سیر کرنے گاؤں کی طرف بھی آیا کرو ___"
"کہاں! نکلنا کہاں ہوتا ہے ..... فرصت ہی نہیں ملتی ...." وہ مشین کھٹا کھٹ چلاتے ہوئے کہنے لگی .....
..." حالانکہ دل بہت چاہتا ہے گھومنے کے لئے ___"
"اتنا کام ہے تو نہیں ....." اشرف بھائی نے کہا ..... "سب لڑکیاں مل کر پروگرام بنالو اور بشیر میاں یا وقار میاں کے ساتھ چلی آؤ ___؟"
بشیر میاں کو تو گھر کے دھندوں سے ہی فرصت نہیں ملتی ہے اور رہے وقار میاں! تو وہ آجکل حویلی سے بہت زیادہ غیر حاضر رہنے لگے ہیں ___"
"کہاں جاتے ہیں ___؟"
"معلوم نہیں ___!"
ٹھیک اسی وقت گھر میں کچھ اجنبی عورتیں بے دھڑک اندر گھستی چلی آئیں دیبا کی نظر اچانک اُنکی طرف اُٹھی اور اُنہیں نہ پہچان کر وہ بھاگ کر سیدھی اپنے کمرے میں گھس گئی۔
اشرف بھائی بھی حیران حیران سے اُٹھ کر مردانے حصے کی طرف چلے گئے تھے ..... انہیں اس وقت ان اجنبی عورتوں

کی آمد سخت ناگوار گذری تھی...... اور وہ کچھ گھبرا سے گئے
...... کہیں یہ لوگ دیپا کا رشتہ لے کر تو نہیں آئی تھیں....
اُن کے دل میں طرح طرح کے وسوسے پیدا ہونے لگے..... اور
اگر چچا جان اور چچی جان نے اُن کا یہ رشتہ منظور کر لیا
تب.......

تب...... اس سے زیادہ اشرف بھائی اور کچھ نہ سوچ
سکتے...... ان کا دل بیٹھ سا جاتا، حلق خشک ہو جاتا اور سینہ خالی
خالی سا محسوس ہونے لگتا......؟

باہر نکل کر وہ اپنے چچا خان بہادر احمد ریاض کے کمرے
کی طرف چلے آئے..... خان بہادر اس وقت سفید براق کرتہ
پاجامہ پہنے آنکھوں پر چشمہ چڑھائے اپنی بوسیدہ لیکن نادر
اور نایاب کتابوں کا مطالعہ کرنے میں مصروف تھے۔

"چچا جان! آداب ــــ"

"آداب! آؤ اشرف بیٹے..... بیٹھو....." خان بہادر
نے اُن کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھا....."کیا کسی کام سے
آئے ہو ـــ؟"

"جی بس یونہی..... گھر میں کچھ عورتیں آئی ہیں ـــ؟" اشرف
نے ادب سے جواب دیا۔

"کیا رشتہ دار ـــ؟"

رشتے دار نہیں معلوم ہوتیں...... اجنبی ہی تھیں....."

"شاید! پھر کوئی رشتہ آیا ہے....." جان بہادر نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا.... "رشتے آتے تو ہیں.. لیکن ڈھنگ کے نہیں ہوتے..... کاش یہ رشتہ کام کا ہو..... اشرف میاں ہم جلد از جلد لڑکیوں کے ہاتھ پیلے کر دینا چاہتے ہیں ___ اسی فکر میں ہمیں راتوں کو نیند نہیں آتی ہے.... ہم جانتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے..... لیکن کیا کریں..... رسموں، رواجوں اور تہذیب میں ہم اتنا بندھے ہوئے ہیں کہ الگ اپنے لئے کوئی راہ نہیں اپنا سکتے...... کتنا مجبور ہیں ہم ___"

"آپ..... آپ بھی اور لوگوں کی طرح سوچتے ہیں چچا جان ___"

"ہاں بیٹے!...... یہ دنیا بہت بُری ہے..... ہمیں وہی کرنا پڑتا ہے جو دنیا قاعدہ اور قانون بنا لیتی ہے.... اگر اس کے برعکس کریں تو باغی کہلائیں..... اور بغاوت کرنے والے پھر اس سماج سے کٹ جاتے ہیں..... الگ کر دیئے جاتے ہیں زبردستی ___"

"چاہے اس قاعدے اور قانون سے زندگیاں برباد ہو جائیں...... یا دوسری برائیاں پیدا ہو جائیں....

تب بھی ......!"

"اشرف میاں! ہم سب سمجھتے ہیں .... لیکن کر کچھ بھی نہیں سکتے ۔"

اشرف اکتا کر خاموش ہی ہو گئے ..... وہ ہمیشہ خاموش ہی رہے تھے ..... یہ خاموشی ہی تھی کہ آج تک ! ــــــ کوئی بھی دنیا سے اُن کی محبت کا راز نہیں جان سکا تھا ــــ ؟

حنا ڈاکٹر طارق کے کلینک میں داخل ہوئی۔

"تسلیم ڈاکٹر صاحب ــــ"

"ارے آپ ـــــ؟" ڈاکٹر طارق ڈھیر سارے مریضوں میں گھرا حیران رہ گیا۔ "خیریت تو ہے بھئی ـــــ"

"جی ہاں سب خیریت ہے......" وہ دھیرے سے مسکرائی تھی ــــــ

آج کیسے بھول پڑیں آپ......"

"بس یاد آئی آپ کی...... ادھر سے گذر رہی تھی، سوچا ملاقات کرتی چلوں...... کہئے آپ کے مریضوں کا کیا حال ہے ـــ؟"

"مریضوں کا حال تو ٹھیک...... لیکن ڈاکٹر کا حال بُرا ہے ـــ"

"کیا ہوا ڈاکٹر کو ——؟" حنا نے اپنی غلافی آنکھیں حیرت سے جھپکائی تھیں۔

اچھا بیٹھو تو ....."

"بیٹھوں گی نہیں ..... جا رہی ہوں — کالج کورس ہو رہی ہے —"

"دومنٹ کیلئے بیٹھ جائیے ....." ڈاکٹر طارق نا دھیرے سے مسکرایا تھا ..." کچھ دم لے لیجئے ..... اور اپنا احسان چکانے کا موقع بھی دیجئے —"

"احسان .... کونسا احسان ڈاکٹر صاحب ——؟"

"بھول گئیں .... آپ نے تو پلی ہیں جھٹ پٹی مصالحہ دار چاٹ کھلائی تھی ..... آج آپ بتلایئے .... کیا کھائیں گی ——؟"

"شکریہ ..... اس وقت کچھ بھی نہیں —"

"نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے ——؟"

"ہو کیوں نہیں سکتا .... اس میں کیا قباحت ہے —"

"یہاں تھوڑی دیر بیٹھئے ..... آپ کو اپنے کلینک کی سیر بھی کراؤں گا ..... اپنے مریضوں سے بھی ملاؤں گا —"

"پھر کبھی سہی ڈاکٹر صاحب —" حنا نے مسکرا کر جواب دیا ...
..." کالج کو دیر ہو جائے گی —"

"آپ تکلف نہ کریں اور تشریف رکھیں —" ڈاکٹر طارق

نے ہنس کر کہا "اتنی جلدی میں آپ کو چھوڑنے والا نہیں۔
اور ہاں دیبا باجی کا کیا حال ہے؟"

"وہ اب ٹھیک ہیں۔"

"بہت خوب! اچھا بتائیے.... ٹھنڈا یا گرم.... اسپیشل چاٹ میں ابھی منگوا رہا ہوں بازار سے آپ کیلئے۔"

"یہ آپ زیادتی کر رہے ہیں۔"

"نہیں.... آپکو چاٹ پسند ہے نا۔" ڈاکٹر طارق نے جواب دیا اور پھر جلدی جلدی اپنے مریضوں کو نپٹانے لگا۔

حنا اِدھر اُدھر یونہی بے مقصد دیکھنے لگی.....!

آج بیٹھے بٹھائے اُسے ڈاکٹر طارق کا خیال آ گیا تھا.... اور یاد آ گیا تھا اپنی امی حضور سے اُس دن والا جھگڑا جب اُس نے کھلم کھلا کہہ دیا تھا کہ ڈاکٹر طارق کو پسند کرتی ہے.... اور نتیجے میں اب وہ ڈاکٹر طارق کے کلینک میں بیٹھی ہوئی تھی۔؟

اس نے جھکی جھکی نظروں سے پہلی بار ڈاکٹر طارق کے چہرے کی جانب ایسی نظروں سے دیکھا.... ان نظروں سے جس کے باعث اس کا امی حضور سے جھگڑا ہوا تھا.... اور اب اُسے احساس ہونے لگا کہ ڈاکٹر طارق تو لاکھوں میں سے ایک تھا.... خوبصورت.... صحت مند اور شاندار.... سپید بے داغ سوٹ میں وہ کافی اسمارٹ دکھائی دے رہا تھا۔

ڈاکٹر طارق واقعی اس قابل تھا کہ لڑکیاں اس پر نثار ہو جائیں..... مر مٹیں اس کے اوپر..... بے شک وہ پوجنے کے قابل تھا..... اور اس سے محبت کی جا سکتی تھی اور اپنا شریک سفر بنایا جا سکتا تھا!

حنا حیران تھی کہ اس سے پہلے اُس نے ڈاکٹر طارق کو ایک عورت کی نگاہ سے کیوں نہیں دیکھا تھا..... طارق پہلے اُسے کیوں نہیں بھایا تھا..... لیکن امی حضور سے جھگڑنے کے بعد اُس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب ڈاکٹر طارق سے دوستی بڑھا کر گھر والوں کو جلائے گی..... اور پریشان کرے گی — لیکن یہاں آکر وہ ڈاکٹر طارق کی پرکشش شخصیت اور اُس کی پیاری پیاری باتوں سے اتنی متاثر ہوئی تھی کہ اس کے دل میں شاید زندگی میں پہلی بار ایک عجیب سی کیفیت آمیز خلش نے جنم لے لیا تھا.....

کیا یہی پیار ہوتا ہے..... اسی کا نام محبت ہے..... حنا سوچ رہی تھی..... اگر یہی محبت تھی تو بے شک وہ ڈاکٹر طارق سے محبت کرنے لگی تھی.....؟

اپنے دل میں پیدا ہونے والے اس جذبے نے اُس کے چہرے پر سرخی بکھیر دی..... کانوں کی لویں تک سرخ ہو گئیں.....

ڈاکٹر طارق بھی کبھی کبھی اُسے نگاہ اُٹھا کر دیکھ لیا کرتا تھا..... اور وہ جب کبھی اس جانب دیکھتا تو حنا کا دل بے اختیار

دھڑکنے لگتا تھا..... اس کی نگاہیں خود نیچے جھک جاتی تھیں۔ حالانکہ اس سے قبل ایسا کبھی نہیں ہوا تھا..... وہ تو آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دلیری اور بے خوفی سے باتیں کرنے والی ایک بے باک لڑکی تھی.....!

لیکن آج جانے اسے یہ کیا ہو گیا تھا۔؟

ڈاکٹر طارق جب اپنے مریضوں سے فارغ ہو چکا تو وہ حنا کی طرف متوجہ ہوا، لیکن لہجے میں شرارت تھی..... "تو آپ کو کیا تکلیف ہے محترمہ ---؟"

"ہم..... مجھے.....؟" حنا حیران رہ گئی۔

"جی ہاں! آپ کو.....؟" وہ شرارت سے مسکرایا تھا..... "لائیے ہاتھ ادھر لائیے! آپ کی نبض دیکھوں ---"

"لیکن مجھے کیا ہوا ہے ---؟"

"جو کچھ ہوا ہے وہ بتا دوں گا....." یہ کہتے کہتے ڈاکٹر طارق نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور کلائی پر اپنی انگلیاں نبض دیکھنے کے لئے رکھ دیں.....!

اور کوئی موقع ہوتا تو حنا اس کا خیال ہی نہیں کرتی..... لیکن اس وقت... اس لمحے جب ڈاکٹر طارق نے اس کی کلائی کو چھوا تو اچانک اُسے احساس ہوا جیسے ڈاکٹر طارق اس کی نبض نہ چھو رہا ہو..... دل کے تاروں کو چھو رہا ہو.....کوئی دھیما دھیما

نغمہ چھیڑ رہا ہو..... جو دل کی سونی وادیوں میں گونجتا چلا جا رہا ہو.......

"ارے آپ کا دل ــــ؟"

"کیا ہوا میرے دل کو ــــ؟" حنا حیران نظروں سے ڈاکٹر طارق کو تکنے لگی۔

"بری طرح دھڑک رہا ہے ــــ" ڈاکٹر طارق نے جواب دیا..... "مجھے تو لگتا ہے دل کی کوئی بیماری تو نہیں لگا لی ہے آپ نے ــــ؟"

"جی ــــ"

"جی ہاں......" ڈاکٹر طارق کے ہونٹوں پر بڑی شوخ اور حسین سی مسکراہٹ تھی، لیکن آنکھیں صاف چغلی کھا رہی تھیں کہ وہ شرارت پر آمادہ ہے ــــ!

حنا نے جھٹ اپنا ہاتھ کھینچ لیا...... "آپ بنا رہے ہیں ہمیں ــــ؟"

ڈاکٹر طارق نے ایک قہقہہ لگایا اور بولا...... "اچھا چلئے آپ کو پہلے اپنے کلینک کی سیر کرا دوں...... وہاں زیر علاج مریضوں سے ملا دوں..... اس کے بعد چاٹ کھائیں گے اور کافی پئیں گے..... کافی تو پئیں گی نا ــــ؟"

"پی لوں گی ــــ!"

ڈاکٹر طارق اُٹھ کھڑا ہوا اور حنا کو ساتھ لے کر اندر کلینک کی سیر کرانے کے لئے چل پڑا...... اور حنا...... وہ آج اپنے آپ سے ہی خائف تھی...... ہر آہٹ پر چونک چونک سی جاتی تھی جیسے کوئی اچانک انوکھی اور انہونی بات ہو گئی...... اس کے قدم چلتے چلتے بہک کر لڑکھڑا جاتے تھے...... یہ آج اسے کیا ہو گیا تھا......

یہ کونسا انوکھا درد اُس نے مول لے لیا تھا!

زندگی بہت سکون سے گزر رہی تھی۔

شادی کئے تین ماہ ہو چکے تھے۔ دن عید اور راتیں شب برات کی طرح گزر رہی تھیں۔ شبانہ اور وقار نے ایک دوسرے کو پاکر جیسے سارے جہان کو پالیا تھا — !

اپنے علیحدہ چھوٹے سے فلیٹ میں دونوں ایک دوسرے میں کھو کر رہ گئے تھے..... دونوں بے حد خوش تھے..... شاداں اور مسرور..... دونوں نے جیسے اپنی اپنی منزل پالی تھی — !

شبانہ پھولی نہ سماتی تھی..... وقار کیلئے ہر وقت مرمٹنے کے لئے تیار رہتی..... اس کی ضرورتوں کا خیال رکھتی اور ہر خدمت کرتے ہوئے اُسے فخر سا محسوس ہوتا..... وہ وقار کو اپنے

سامنے کوئی بھی کام نہیں کرنے دیتی تھی۔

اس وقت وہ کپڑے بدل کر سنگھار میز کے سامنے کھڑی اپنے آپ کو سنوار رہی تھی..... چھ بج چکے تھے اور وقار آنے ہی والا تھا..... وقار نے آج اُسے شہر گھمانے کا وعدہ کیا تھا ــــ وہ اُسے کوئی فلم بھی دکھانا چاہتا تھا ــــ؟

دفعتاً دروازہ کھلا اور آئینہ میں وقار کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی پڑا ــــ شبانہ نے چونک کر پیچھے پلٹ کر دیکھا اور شرما کر رہ گئی۔

"ابھی تیار نہیں ہوئیں ــــ؟" وہ اُس کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"تیار ہو رہی ہوں ناجی! ــــ"

"آہا..... ہا..... آج تو قیامت ڈھا رہی ہو..... سینکڑوں قتل ہو جائیں گے..... کیا آج قتل عام کرنے کا ارادہ ہے ــ"

"ہٹئیے..... ہم نہیں بولتے ــــ شبانہ لجا کر رہ گئی۔

وقار نے آگے بڑھ کر اُسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیا تھا ــــ

دونوں ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے رہ گئے ایک کیف آمیز لذت سے شبانہ کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔

وقار نے اُس کے ہونٹوں کا آہستہ سے بوسہ لیتے ہوئے کہا

—"آؤ..... چلیں..... نہیں تو دیر ہو جائے گی —"

"چلئے —"

دونوں فلیٹ سے باہر نکل آئے..... باہر نکل کر ٹیکسی پکڑی اور ریگل سنیما کی طرف روانہ ہو گئے..... دونوں بے حد خوش اور مگن تھے......

ریگل سنیما پر پہنچے تو وہاں "ہاؤس فل" کا بورڈ دیکھ کر دونوں کا چہرہ اتر گیا۔ وقار نے ہنس کر کہا — "خیر کوئی بات نہیں.. ... آج گھوم لیتے ہیں، فلم کسی دن آ کر دیکھ لیں گے —"

"جیسے آپکی مرضی —" شبانہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے سڑکوں پر چلنے لگے.... سجی ہوئی دکانوں میں شوکیس میں دلفریب چیزوں کو دیکھتے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے......

ایک تھیٹر کے سامنے پہنچ کر شبانہ ٹھٹھک کر رہ گئی....

"کیا ڈرامہ دیکھو گی — ؟" وقار نے چونک کر پوچھا۔

"نن..... نہیں..... چلئے....." وہ گھبرا سی گئی۔

"ارے تو کیا حرج ہے —" وقار نے ہنس کر کہا... "فلم نہیں تو ڈرامہ ہی سہی.... آج ڈرامہ ہی چلا لیں —"

شبانہ منع کرتی رہی..... برابر انکار کرتی رہی، وقار کو روکتی رہی، لیکن وقار نے اس کی ایک نہ سُنی اور ٹکٹ لے کر وہ اُسے

اندر زبردستی کھینچتا ہوا لے گیا.... اور ہال میں سب سے آگے جاکر بیٹھ گیا ---!

ڈرامہ شروع ہونے میں ابھی دیر تھی۔

اچانک تھیٹر کا منیجر اسٹیج پر نمودار ہوا.... وہ ڈرامہ کے متعلق سامعین سے کچھ کہنے آیا تھا.... لیکن سامنے بیٹھی ہوئی شبانہ کو دیکھ کر وہ بُری طرح اچھل پڑا.... اُس کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئی تھیں۔

شبانہ کا بھی بُرا حال تھا.... اُس کے چہرے پر ایک رنگ آرہا تھا، دوسرا رنگ جا رہا تھا.... وہ بے حد پریشان ہو گئی تھی ---؟

یکایک تھیٹر کے منیجر نے مائک پر بولنا شروع کر دیا....

..."لیڈیز اینڈ جنٹلمین! آپ سب کو یہ جان کر بے حد خوشی ہوگی کہ ہمارے اسٹیج کی مشہور رقاصہ مس شبّو! اس وقت ہمارے درمیان موجود ہیں.... اُن کے دلفریب رقص اور اُن کی خوبصورت آواز اور اُن کے حُسن نے اس شہر میں تہلکا مچا دی تھی.... دھوم مچا رکھی تھی...؟

شبانہ ایک جھٹکے کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی اور ہانپتے ہوئے بولی...."چلیئے یہاں سے....خدا کیلئے چلیئے ---؟"

وقار بھونچکا رہ گیا تھا....؟

شبانہ کے کھڑے ہوتے ہی..... ایک شور اُٹھ کھڑا ہوا.... ایک طوفان آگیا.... سیٹیاں بجنے لگیں..... فقرے اور آوازے کسے جانے لگے......؟

"ہائے شبّو!.... مار ڈالا جانی کے"

"شبّو میری جان ـــ"

"شبّو.... شبّو ـــ"

"اسٹیج پر لاؤ..... شبّو کو اسٹیج پر لاؤ..... ایک ڈانس دکھاؤ.... کوئی پھڑکتا ہوا گانا سنواؤ...."

سیٹیاں.... سیٹیاں.... شور.... تالیوں کا شور.... بے پناہ شور.... اور ان گنت آوازیں وقار کے کانوں کے پردے پھاڑنے لگیں.... جگر کو چھیدنے لگیں.... جیسے ہزاروں طوفان گرج رہے ہوں.... بجلیاں کڑک رہی ہوں.... بھیانک شعلے بھڑک رہے ہوں.... اور ان شعلوں کے درمیان وقار نے تصور کی آنکھ سے شبانہ کو اسٹیج پر نیم عریاں لباس میں ناچنے اور ایک فحش گیت گاتے ہوئے دیکھا.... لوگ اس پر نوٹوں کی بارش کر رہے تھے.... اور اُسے اپنے گلے لگانے کے لئے بیتاب تھے.... ہوائی بوسے اچھال رہے تھے.... گندے اور فحش نعرے کس رہے تھے.... مذاق کر رہے تھے ـــ؟

تو.... تو شبانہ.... ایک ناچنے گانے والی کوئی بازاری

لڑکی تھی ..... جو دولت کیلئے اپنا جسم تک فروخت کر دیتی ہے ..... آوارہ لڑکی .... پیچ اور ذلیل ..... اُس لڑکی کو اُس نے اپنے گلے کا ہار بنا لیا تھا ..... وقار کا دماغ جھائیں جھائیں کرنے لگا ... اُس نے ایک گندی نالی کے پتھر کو اپنے مقدس گھر کی چہار دیواری میں لگا دیا تھا ..... یہ اُس نے کیا کیا تھا ..... ہزاروں لوگوں کی محبوبہ کو اپنی بیوی بنا لیا تھا ـــ؟

وقار کو یوں لگا جیسے شبانہ کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی برہنہ ہوتا چلا جا رہا ہو ..... جیسے بھرے بازار میں اُس کی عزت نیلام ہو گئی ہو ..... دھوکا ..... اتنا زبردست دھوکا ..... خان بہادر احمد ریاض کی بہو ..... اور ایک ناچنے گانے والی عورت ..... نہیں ..... نہیں ..... وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا ..... کوئی بھی برداشت نہیں سکتا تھا ـــ؟

لوگوں کے فقرے بازیاں ..... آوازے اور سیٹیاں ... سب مل کر وقار کو پاگل کئے دے رہے تھے ..... وہ اُس کی بیوی کو ناچنے پر مجبور کر رہے تھے ..... اُس کے گرد پروانوں کی مانند جمع ہونا شروع ہو گئے تھے ..... اُسے زبردستی اسٹیج کی طرف کھینچ کر لئے جا رہے تھے ..... وہ اب سب کا دل بہلانے کا ذریعہ بننے والی تھی ـــ؟

وقار نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے ..... تاکہ وہ گندے

فقرے..... فحش آوازیں نہ سُن سکے..... جو اس کے کانوں میں گرم گرم پگھلتا ہوا سیسہ انڈیل رہی تھیں..... اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں تاکہ وہ شبانہ ..؟.. اپنی بیوی اپنے گھر کی عزت کو سرِ بازار ..... ہزاروں تماشبینوں کے سامنے ناچتا ہوا نہ دیکھ سکے...؟؟

تب دوسرے ہی لمحے دھکا کرتا پڑتا لوگوں کے ہجوم میں سے نکلتا ہوا باہر کی طرف بھاگا..... اس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی ..... اب وہ ایسی جگہ ہرگز نہیں ٹھہر سکتا تھا..... ایک پل اُس سے کھڑا نہیں رہا جاتا.....

دھکا کرتا پڑتا باہر نکل آیا..... اس کے کانوں میں طوفان ابھی تک گرج رہے تھے..... آنکھوں کے سامنے شعلے دیسے ہی بھڑک رہے تھے..... اور لوگوں کی مختلف آوازیں اُس کا برابر تعاقب کر رہی تھیں......؟

اس نے بے صبری میں ٹیکسی پکڑ لی اور حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ کیا ہو گیا تھا..... وہ سوچ رہا تھا..... یہ کیسے ہو گیا تھا..... اتنا زبردست دھوکا..... اتنا بڑا فریب..... یہ اُس نے کیا کیا تھا..... ایک بازاری عورت سے شادی کر لی تھی..... وہ عورت جو ہزاروں دلوں کی محبوبہ تھی..... یہ دھوکا اُسے شبانہ نے دیا تھا..... کتنا ذلیل ہو گیا تھا آج وہ اپنی نظروں

لڑکی تھی ..... جو دولت کیلئے اپنا جسم تک فروخت کر دیتی ہے
..... آوارہ لڑکی ..... نیچ اور ذلیل ..... اُس لڑکی کو اُس نے اپنے
گلے کا ہار بنا لیا تھا ..... وقار کا دماغ چھائیں چھائیں کرنے لگا .....
اُس نے ایک گندی نالی کے پتھر کو اپنے مقدس گھر کی چہار دیواری
میں لگا دیا تھا ..... یہ اُس نے کیا کیا تھا ..... ہزاروں لوگوں کی
محبوبہ کو اپنی بیوی بنا لیا تھا ـــ؟

وقار کو یوں لگا جیسے شبانہ کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی برہنہ
ہوتا چلا جا رہا ہو ..... جیسے بھرے بازار میں اُس کی عزت نیلام ہو
گئی ہو ..... دھوکا ..... اتنا زبردست دھوکا ..... خان بہادر
احمد یار خاں کی بہو ..... اور ایک ناچنے گانے والی عورت .....
نہیں ..... نہیں ..... وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا ..... کوئی
بھی برداشت نہیں سکتا تھا ـــ؟

لوگوں کے فقرے بازیاں ..... آوازے اور سیٹیاں .....
سب مل کر وقار کو پاگل کئے دے رہے تھے ..... وہ اس کی بیوی
کو ناچنے پر مجبور کر رہے تھے ..... اُس کے گرد پروانوں کی مانند
جمع ہونا شروع ہو گئے تھے ..... اُسے زبردستی اسٹیج کی طرف
کھینچ کر لئے جا رہے تھے ..... وہ اب سب کا دل بہلانے
کا ذریعہ بننے والی تھی ـــ؟

وقار نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے ..... تاکہ وہ گندے

فقرے.... فحش آوازیں نہ سُن سکے.... جو اس کے کانوں میں گرم گرم پگھلتا ہوا سیسہ انڈیل رہی تھیں.... اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں تاکہ وہ شبانہ.... اپنی بیوی اپنے گھر کی عزت کو سر بازار.... ہزاروں تماشبینوں کے سامنے ناچتا ہوا نہ دیکھ سکے....؟؟

تب دوسرے ہی لمحے دھکا دیتا ہوا لوگوں کے ہجوم میں سے نکلتا ہوا باہر کی طرف بھاگا.... اس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی.... اب وہ ایسی جگہ ہرگز نہیں ٹھہر سکتا تھا.... ایک پل اس سے کھڑا نہیں رہا جاتا....

دھکا دیتا ہوا باہر نکل آیا.... اس کے کانوں میں طوفان ابھی تک گرج رہے تھے.... آنکھوں کے سامنے شعلے دہک ہی بھڑک رہے تھے.... اور لوگوں کی مختلف آوازیں اُس کا برابر تعاقب کر رہی تھیں....؟

اس نے بے صبری میں ٹیکسی پکڑی اور حویلی کی طرف روانہ ہو گیا۔

یہ کیا ہو گیا تھا.... وہ سوچ رہا تھا.... یہ کیسے ہو گیا تھا.... اتنا زبردست دھوکا.... اتنا بڑا فریب.... یہ اُس نے کیا کیا تھا.... ایک بازاری عورت سے شادی کر لی تھی.... وہ عورت جو ہزاروں دلوں کی محبوبہ تھی.... یہ دھوکا اُسے شبانہ نے دیا تھا.... کتنا ذلیل ہو گیا تھا آج وہ اپنی نظروں

میں ــــ؟

یہ اچھا ہوا تھا جو اُس نے گھر والوں، سارے خاندانوں سے چھپ کر شادی کی تھی...... ورنہ وہ کسی کو بھی منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جاتا......

ٹیکسی بھاگتی رہی اور وقار کا دماغ مختلف خیالات آماجگاہ بنا رہا ــــ!

حویلی میں اچھا خاصہ مسئلہ اُٹھ کھڑا ہو گیا تھا۔۔۔؟
مسئلہ یہ تھا کہ پہلی بار ایک قاعدے کا رشتہ آیا تھا جو منظور کر لیا گیا تھا۔۔۔۔ لیکن دیبا باجی نے جو خاندان کی سب سے بڑی لڑکی تھیں۔۔۔۔ اپنی شادی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔۔۔؟
وہ کہتی تھیں کہ میں شادی نہیں کروں گی۔۔۔؟
سب لوگ پریشان و حیران تھے کہ اس مسئلہ کا کیا حل نکالا جائے۔۔۔۔
یہ بات تو اپنی جگہ ایک ٹھوس حقیقت تھی کہ دیبا اس گھر کی سب سے بڑی لڑکی تھی اور قاعدے قانون کی رو سے سب سے پہلے اسی کی شادی ہونا چاہئے تھی۔۔۔۔ اگر وہ لوگ دیبا

کی بات مان کر زیبا کی شادی کر دیتے تو پھر کبھی بھی دیبا کی شادی نہیں ہو سکتی تھی ..... کیونکہ بڑی بہن کے ہوتے ہوئے جب چھوٹی بہن کی شادی ہو جاتی ہے تو لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ بڑی لڑکی میں ضرور کوئی عیب رہا ہوگا اور اس طرح بڑی لڑکی کی زندگی برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔

اس کا مطلب تھا کہ دیبا اپنے ہاتھوں اپنی زندگی برباد کرنے پر تلی ہوئی تھی —

اب اس مسئلہ پر جہاں دیبا اور دیگر گھر کے افراد پریشان تھے وہاں زیبا سب سے زیادہ پریشان اور بوکھلائی ہوئی تھی ...... کیونکہ وہ تو چپکے چپکے آفاق کو پوج رہی تھی ..... اندر ہی اندر آفاق کی محبت کی آگ میں سلگ رہی تھی .... پھر وہ آفاق کے علاوہ کسی دوسرے اجنبی مرد سے کیسے شادی کر لیتی —
اُس کی تو دنیا ہی اجڑی جا رہی تھی ..... آفاق کے علاوہ تو وہ کسی کا تصوّر بھی نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن دیبا باجی تو اپنی ضد پر اڑی ہوئی تھیں .....
اُنہیں تو اپنا راشد نہیں بھولتا تھا ..... وہ شرارتی، ضدی خود سر اور ہٹ دھرم جو اُن کی زندگی میں ایک ہوا کے جھونکے کی مانند آیا اور ٹھنڈک بخش کر یوں گذر گیا جیسے کبھی آیا ہی نہ تھا ......؟

اب وہ راشد کی یاد میں اپنی ساری زندگی گذار دینا چاہتی تھیں..... اپنے جرم کا ادا کرنا چاہتی تھیں..... پراشچت کرنا چاہتی تھیں..... کیونکہ آخری بار انہوں نے راشد کی فرمائش پوری کرنے سے انکار کر دیا تھا..... ایک سوئٹر کی ہی تو بات تھی..... اگر وہ سوئٹر بننے کا وعدہ کر لیتی تو راشد اپنی جان سے ہی کیوں جاتا ——؟

اب اس مسئلہ سے سارا گھر ہی پریشان تھا —!

امی حضور اور ابا حضور اس لئے پریشان تھے کہ اگر یہ رشتہ ہاتھ سے نکل گیا تو پتہ نہیں بعد میں کیا صورت پیش آئے —— جانے پھر رشتہ آئے بھی یا نہیں..... اس لئے وہ اس رشتے کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہتے تھے ——؟

لیکن دیبا باجی برابر انکار کئے جا رہی تھیں۔

ادھر زیبا کی جان پر بنی ہوئی تھی..... اگر گھر والوں نے دیبا باجی کی بات مان لی تو پھر اُسے زبردستی اجنبی اور غیر مرد کے ساتھ باندھ دیا جائے گا..... اور اس کی محبت موت کی ابدی نیند سو جائے گی..... آفاق تڑپتا رہ جائیگا ..... آفاق جو اُس کا خط پانے کے لئے بے چین تھا..... تڑپ رہا تھا ——

دیبا سے زیادہ زیبا پریشان تھی..... جیسے صلیب پر

لٹکی ہوئی تھی.... ایک ایک پل اس پر صدیوں کے برابر گذر رہا تھا..... آفاق کو اس نے چاہا تھا.... بے انتہا چاہا تھا ..... اپنے خوابوں میں بسا لیا تھا..... اس کے بغیر تو اس نے زندہ رہنے کے بارے میں سوچا تک بھی نہیں تھا.... وہ چپکے چپکے خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ دیبا باجی شادی کرنے کے لئے تیار ہو جائیں اور وہ اس مصیبت سے بچ جائے ...... اس کی جان بچ جائے ــ؟

لیکن تقدیریں بدلی نہیں جا سکتیں ــ؟

لڑکے والوں کا اصرار بے حد بڑھ گیا تھا کہ یا تو وہ لوگ فوراً ثانی بھر کر شادی کے لئے تیار ہو جائیں..... ورنہ جواب دے دیں.... کیونکہ لڑکے والوں کے لئے دیر کرنا مناسب نہیں تھا..... وہ جلد از جلد شادی کر ڈالنا چاہتے تھے ــ؟

اس لئے حویلی میں ایکبار پھر یہ مسئلہ شدت سے چھڑ گیا تھا ــ؟

دیبا باجی اپنی ضد پر مضبوطی کے ساتھ اڑی ہوئی تھیں اور حویلی کے تمام افراد انہیں سمجھا بجھا کر ہار چکے تھے... .... انہوں نے جو فیصلہ کر لیا تھا وہ اب اسے بدلنے کے لئے تیار نہیں تھیں..... اس لئے تھک ہار کر سب نے

مجبوراً زیبا کے لئے حامی بھرلی۔

اور زیبا تڑپ کر رہ گئی..... پھڑپھڑا کر رہ گئی..... وہ احتجاج بھی نہیں کر سکتی تھی کہ اُسے دیپا باجی کی ضد کی قربان گاہ پر کیوں بھینٹ کیا جا رہا ہے..... کیوں اس کا گلا کاٹا جا رہا ہے..... کیوں ذبح کیا جا رہا ہے..... کتنی بے زبان تھی وہ..... کتنی مجبور اور بے سہارا تھی وہ ____؟

دیپا باجی نے تو زبان بھی کھول دی تھی..... احتجاج بھی کر لیا تھا..... لیکن وہ اپنی زبان بھی نہیں کھول سکتی تھی..... کسی کو بھی یہ راز نہیں بتا سکتی تھی کہ اُس کے خوابوں میں تو آفاق بسا ہوا ہے..... اُس کے خیالوں میں تو آفاق نے ڈیرا جما لیا ہے..... اُسکی سانسوں میں گھل مل گیا ہے..... اُس کی روح میں گم ہو گیا ہے..... یہ ظلم مت کرو..... یہ ظلم مت کرو کہ اُسے آفاق سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جُدا کر دو..... کیوں اُس کے ہونٹوں سے ٹھنڈے پانی کا پیالہ چھین رہے ہو..... کیوں..... کیوں.....؟

لیکن اتنی بڑی حویلی میں کون تھا جو زیبا کی فریاد سنتا..... اُسکے چھلتے ہوئے زخموں پر مرہم رکھتا..... کون تھا اُسے اپنا شانہ پیر سر رونے کے لئے رکھنے دیتا تاکہ وہ اپنی بھڑاس نکال سکے.....؟؟

شادی کی تیاریاں زور و شور کے ساتھ شروع ہو گئیں۔

مدتوں بعد حویلی کی تقدیر جاگی اور اُس کی دیواروں پر سفیدی ہونے لگی ..... صفائی اور سجاوٹ شروع ہو گئی ..... رشتے داروں کو دعوتی کارڈ جانے لگے ..... جہیز اور دیگر سامان کی فہرست تیار ہونے لگی۔

اور ادھر زیبا دھیرے دھیرے شمع کی مانند پگھلنے لگی ..... گیلی لکڑی کی طرح آہستہ آہستہ سلگنے لگی ..... اب بے زبانی ہی اُس کی زبان تھی ..... آنسو ہی اُس کے ساتھی تھے ..... اور آہوں اور غموں سے اُس نے سمجھوتہ کر لیا تھا۔

اوپر چھت والے کمرے میں پڑی اب وہ دن دن بھر گھٹ گھٹ کر روتی رہا کرتی تھی ..... اپنی محبت کی ناکامی پر مسلسل آنسو بہایا کرتی تھی ..... لیکن دل کے داغ ان آنسوؤں سے بھی نہیں دھلتے تھے ..... آفاق کی بھی یہی حالت تھی ..... وہ بھی اسکی یاد میں جلتے اور تپتے رہتے تھے .....؟

اور اس دوران زیبا جب بھی کھڑکی میں سے آفاق کو دیکھ لیتی تھی تو اُس کے دل کے داغ اور بھی بڑھ جاتے تھے ..... سوزش اور کسک میں اضافہ ہو جاتا تھا ..... اور وہ بڑھتے ہوئے درد کو دبانے کے لئے ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی تھی .....

زیبا نے کئی بار فیصلہ کیا کہ وہ زہر کھا لے ..... خاتمہ کرلے

اپنی زندگی کا..... لیکن اس بارے میں وہ جب بھی سوچتی اُس کی نگاہوں کے سامنے ابا حضور اور امی حضور کا مرجھایا ہوا چہرہ آجاتا ..... اُن کا کیا حال ہو گا..... زمانے نے انہیں پہلے ہی کچل کر رکھ دیا تھا..... یہ صدمہ تو شاید وہ برداشت ہی نہ کر سکیں..... اس خیال سے وہ خودکشی کا ارادہ ترک کر دیتی تھی -!

شادی کی تاریخ جوں جوں قریب آتی جا رہی تھی، زیبا کی حالت غیر اور تباہ ہوتی جا رہی تھی..... یہی حال شاید آفاق کا بھی تھا..... کیونکہ اُس نے کھڑکی کی اوٹ سے جب بھی آفاق کو دیکھا تھا..... اسے وحشیوں کی مانند کھڑکی کی طرف تکتا پایا تھا..... اُس نے اپنی حالت پاگلوں کی سی بنالی تھی۔

ایک شام زیبا نے پھر آفاق کو شاخ میں پرچہ اٹکاتے ہوئے دیکھا تو لرز لرز کر رہ گئی..... یہ آفاق اُسے زندہ بھی رہنے دیگا یا نہیں..... اب ان باتوں سے کیا فائدہ تھا..... جو کچھ ہونا تھا وہ ہو رہا تھا..... ایک تو وہ خود ہی آگ میں جل رہی تھی، اوپر سے آفاق اسے زندہ درگور کئے دے رہا تھا ۔۔۔؟

اس نے فیصلہ کر لیا وہ یہ پرچہ لینے ہرگز ہرگز نہیں جائے گی ۔۔۔؟

لیکن اندھیرا ہوتے ہوتے اس کا یہ فیصلہ متزلزل ہو کر رہ گیا..... اس نے جانے کس جذبے سے مجبور ہو کر باہر جا کر

شاخ سے وہ پرچہ نکال لیا اور مٹھی میں داب کر واپس اپنے کمرے میں بھاگ آئی ---؟

بہت دیر تک وہ آفاق کا پرچہ تھامے اپنے دل کو سنبھالتی رہی تھی..... پھر بے حد ڈرتے ڈرتے اس نے چپکے سے پرچہ کھولا...

پرچے میں صرف ایک شعر لکھا ہوا تھا۔

ہاں ضبط سوزِ عشق کوئی ایسی آہ بھی

جس آہ سے زمین جلے، آسماں جلے

یہ شعر پڑھتے ہی زیبا پر ایک رقّت سی طاری ہو گئی.....

یوں لگا جیسے کسی نے اس کے اندر زلزلے کے جھٹکے بھر دیئے ہوں..... یہ شعر نہیں تھا..... یہ تو خود زیبا کے دل کی عکاسی تھی...

.... جہاں یہ شعر آفاق کے دل کا ترجمان تھا وہاں تو زیبا کی بے زبانی پر بھی صادق آتا تھا..... دونوں کے ہی دلوں کا غماز تھا یہ شعر۔

زیبا اتنا روئی اتنا روئی کہ ہچکیاں بندھ گئیں ..... جیسے وہ آنسوؤں کا دریا ہی بہا دے گی.......!!

لیکن آنسوؤں سے ہونی کو نہیں ٹالا جا سکتا ہے..... جو مقدر میں لکھ دیا گیا تھا اسے ضرور پورا ہونا تھا..... وہ پرائی ہو جانے والی تھی..... محرومی اور جدائی کا داغ لئے وہ ایک اجنبی مرد کے ساتھ منسلک کی جانے والی تھی..... اس کا محبوب آفاق اس سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ جانے والا تھا

"کیا وہ اُسے بھول پائے گی......؟

شادی کی گھڑی سر پر آ پہنچی...... جدائی اور رخصت کا وقت آ گیا
...... جسم پر اُبٹن، ہاتھوں میں مہندی، آنکھوں میں کجرا سجایا جانے لگا
...... جیسے دفن ہونے کیلئے میت تیار ہونے لگی......

اپنا جنازہ اُٹھنے سے وہ زندہ لاش کی مانند حویلی میں چاروں طرف پاگلوں کی طرح گھومتی پھری، ایک ایک چیز کو اُس نے حسرت سے دیکھا، گوشے گوشے سے ملی، درو دیوار پر انگلیاں پھیر کر اُن سے وداع ہونے کی اجازت لی......
یہ حویلی جہاں کے چپہ چپہ پر اُس کی یادوں کے گلاب کھلے ہوئے تھے...... اوپر چھت پر جا کر اُس نے کھڑکی کھول دی اور اس طرف غور سے دیکھنے لگی جہاں ایک بھری دوپہر میں اُس کی آفاق سے ٹکر ہوئی تھی، اور محبت کا داغ اپنے سینے پر کھایا تھا......؟

جہاں وہ دوپہر میں اپنا دل لٹا بیٹھی تھی۔ ؟

زیبا کھڑکی کے باہر ہی دیکھ رہی تھی کہ آفاق اُس کے سامنے ایک درخت کے نیچے آ کھڑا ہوا...... کیا حالت ہو گئی تھی اُسکی
...... لُٹا لُٹا سا...... مرجھایا ہوا...... بدحالی اور پریشان پریشان سا...... جیسے سب کچھ ہار گیا تھا......

چند لمحوں تک خالی خالی آنکھوں سے ایک دوسرے کی طرف تکتے رہے...... پھر لکایک زیبا نے قلم اُٹھایا اور کانپتے

ہاتھوں سے ایک پرچہ لکھا۔

اُٹھ کر تو آ گئے ہیں تیری بزم سے مگر
کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں

یہ لکھ کر اُسے پرچہ مروڑ توڑ کر کھڑکی سے باہر پھینک دیا
اور ایک زوردار آواز کے ساتھ کھڑکی بند کر لی —

جیسے دل کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند کر لیا ہو۔
اور پھر روتی اور بین کرتی ہوئی شہنائیوں کی آوازیں
زیبا ایک ایک کے گلے مل کر سسکیاں اور ہچکیاں بھرتی ہوئی پرائے
دیس کو سدھاری.... ایک اجنبی اور غیر مرد کے ساتھ
رخصت ہو گئی.....

جیسے ڈولی نہ اٹھی ہو جنازہ اُٹھا ہو —؟

شبانہ نے اُس دن یوں محسوس کیا تھا جیسے اُسے بھرے بازار میں ننگا کر دیا گیا ہو — ؟

بھیڑ ہال کے اوباش اور آوارہ لوگوں نے اس پر اتنے آوازے کسے تھے، اتنے فقرے اس کی طرف اُچھالے تھے کہ شبانہ کا سارا وجود لہولہان ہو گیا تھا — ؟

یہ بات نہیں تھی کہ شبانہ ان فقروں اور آوازوں کی عادی نہ تھی ..... ایسے فحش جملے وہ اکثر اپنے پروگراموں کے دوران سُنا کرتی تھی ..... کیونکہ وہ مجبور تھی ..... اپنے لئے اپنے چھوٹے چھوٹے بہن بھائیوں کی زندگیاں بچانے کی خاطر وہ سب کچھ سُن کر برداشت کرنے پر مجبور تھی ..... لیکن اُس وقت

نہیں جبکہ وہ اپنے اِس پہننے کو خیر باد کہہ چکی تھی چھوڑ چکی تھی۔
اب اس وقت وہ برداشت نہیں کر پا رہی تھی جبکہ اُسکا شریف اور مہربان شوہر اس کے ساتھ تھا..... اُس کے پاس پاس تھا..... وہ مرد جس نے اُسے اپنی باہوں میں پناہ دی تھی زمانے کی نگاہوں اور غلط جملوں اور فقروں سے اُسے بچا لیا تھا سب کی ہوسناک نگاہوں سے محفوظ کر لیا تھا..... لیکن ایک اتفاق نے اُسے ایک بار پھر وہیں اُسی جگہ اُسے پہنچا دیا تھا جہاں جملے بازیاں تھیں بے ہودہ فقرے تھے اور ہوس آلود نگاہیں تھیں.....

وقار اُس کا شوہر کے اُوپر کیا گذری ہوگی۔ کیا بیت رہی ہوگی۔؟

شبانہ کے ذہن میں دفعتاً ہزاروں چنگاریاں دہک اُٹھیں.... اُس نے ہجوم کی آوازوں کے دوران گھبرا کر وقار کی جانب دیکھا..... لو! سے وقار کے چہرے پر بھی ہزاروں طوفان سر اُٹھاتے دکھائی دیئے.... اور پھر اس سے پہلے کہ شبانہ وقار کا ہاتھ تھامتی، وقار اپنے اُٹھتے ہوئے طوفان کے جوش میں اُس کا ہاتھ جھٹک کر تھیٹر ہال سے باہر نکل گیا۔
شبانہ پرائے اجنبی ہوس کار لوگوں کے درمیان پھنسی اکیلی کھڑی کی کھڑی رہ گئی۔۔۔؟

یہ کیا ہوگیا تھا...... شبانہ نے گھبرا کر دروازے کی طرف دیکھا..... دروازہ خالی تھا وقار تو اُسے چھوڑ کر جا چکا تھا..... بے اختیار شبانہ کا دل بھر آیا...... وہ لوگوں کے شور میں اُس کے پیچھے بھاگنا چاہتی تھی لیکن بھیڑ نے اُس کا راستہ روک رکھا تھا۔

وہ وقار کے تعاقب میں بھی نہیں بھاگ سکتی تھی۔ یہ کتنا بڑا ظلم تھا اُس کے اُوپر..... شبانہ نے بے بسی سے لوگوں کی طرف دیکھا جو اُس سے ناچنے کی فرمائش کر رہے تھے...... شور مچا مچا کر اُسے اسٹیج کی طرف جانے کا اشارہ کر رہے تھے۔

ایسے میں کان پڑی آواز نہ سنائی دے رہی تھی۔

شبانہ اسی کشمکش اور تذبذب کی کیفیت میں تھی کہ تھیٹر کے منیجر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اُسے کشاں کشاں کھینچتا ہوا اسٹیج پر لے آیا۔

شبانہ کے اسٹیج پر آتے ہی سارا ہال تالیوں سے گونج گیا۔ تھیٹر کے منیجر نے فوراً ہی مائک سنبھالا اور لوگوں کے شور میں اپنی آواز بلند کرتے ہوئے چیخنے لگا.....

"بھائیو! میں بڑے فخر اور مسرت کے ساتھ اعلان کر رہا ہوں کہ میں نے آپ کی چہیتی اور مشہور اسٹیج ڈانسر مس شبّو کو رقص کو

رقص کا ایک آیٹم پیش کرنے کیلئے راضی کر لیا ہے.... اب آپ لوگ خاموشی اور سکون سے مس شبو کا آیٹم دیکھیں....."

ہال ایک بار پھر تالیوں اور سیٹیوں کی آواز سے گونج اُٹھا۔

ابھی شبانہ اس حادثے سے سنبھلی بھی نہ تھی کہ کسی نے اُس کے پیروں میں گھنگھرو باندھ دیئے اور تھیٹر کے سازندے اپنے اپنے ساز کا سُر درست کرنے لگے۔

طبلہ کھنکتے ہی ہال میں سناٹا چھا گیا..... شبانہ نے ایک بار بے بسی سے چاروں طرف دیکھا..... اور پھر بے خیالی میں اُس گیٹ کی طرف دیکھنے لگی جس طرف سے نثار نکل کر گیا تھا اور اُس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا..... اُس کی آنکھیں خالی واپس لوٹ آئیں.....؟

یہ کتنا بڑا ظلم تھا اُس کے اوپر.... کتنا ناقابل برداشت دکھ تھا جو زبردستی اُس کے اوپر لاد دیا گیا تھا..... اُس کا جہان لُٹ رہا تھا اور اُسے ناچنے کے لئے مجبور کیا جا رہا تھا..... سینکڑوں تماشائی اُس کا رقص دیکھنے کے لئے بے قرار ہو سیٹیاں بجانے لگتے تھے۔

شبانہ نے بے اختیار پاگلوں کی مانند ناچنا شروع کر دیا.! غصہ، جوش اور دیوانگی کے عالم میں شبانہ کے قدم نہایت

تیزی سے تھرک رہے تھے ...... اُس کے پائل کی جھنکار سے جیسے سارا ہال گونج رہا تھا...... جیسے سارے لمحات منجمد ہو کر اُس کے گھنگھروں کی آواز بن گئے تھے ...... ناچتے ناچتے جیسے وہ اپنے آپکو مار ڈالنا چاہتی ...... چور چور کر دینا چاہتی تھی ...... اپنے وجود کو فضاؤں میں بکھیر دینا چاہتی تھی ......؟؟

جیسے وہ مجسم جھنکار بن کر رہ گئی تھی ...... رقص میں ڈھل گئی تھی ...... گھنگھرو کی کھنک میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اس کا وجود جیسے پگھل کر رقص کا ٹانگیں بن گیا تھا ...... اسٹیج، اسٹیج کے پردے، اس کا ساز و سامان، سازندے اور تمام حال اور ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ اُسے ایک تھرکتا، گھومتا اور چکراتا ہوا دائرہ معلوم ہو رہے تھے ......

اور یہ دائرہ گھوم رہا تھا چکرا رہا تھا ...... چکرا رہا تھا ......؟

شبانہ پر جیسے ایک جنون، ایک وحشت اور دیوانگی طاری ہو گئی تھی ...... وہ ناچ ناچ کر اپنے آپ کو مٹا دینا چاہتی تھی ...... فنا کر دینا چاہتی تھی۔ آج وہ نہیں چاہتی تھی کہ جس کی خاطر وقار کے جذبات کو بے پناہ ٹھیس پہنچی تھی ...... بے حد صدمہ پہنچا تھا ...... اور وہ گہرے دکھوں میں گھر کر اُس کا ساتھ چھوڑ کر فرار ہو گیا تھا؟

ناچتے ناچتے شبانہ کے پاؤں زخمی ہو گئے ...... خون کی بوندیں

نے اُسکے سپید سپید پیروں کو گلنار بنا دیا.... یہ لہو کی مہندی تھی... خون کی سرخی تھی.... یہ نئی بیاہی دلہن کے پاؤں تھے جنہیں رنگ دیا گیا تھا.... خوبصورتی سے نقش و نگار بنا دیئے گئے تھے.....؟؟

ہال تالیوں کے شور سے بار بار گونج جاتا.....اور کبھی کبھی وہاں ایسا سناٹا چھا جاتا جیسے وہاں موجود ہر شخص کو سانپ سونگھ گیا ہے یا اُسے سکتہ ہو گیا ہے۔؟

شبانہ ناچتے ناچتے نڈھال ہو گئی، تھک کر چور ہو گئی اور زخمی پیروں نے اُس کا بوجھ اُٹھانے سے انکار کر دیا تھا وہ لڑکھڑائی اور فرش پر گر پڑی۔

دیر تک ہال تالیاں بجا کر اُس کی تعریف کرتے رہے تھے اور طرح طرح کی آوازیں نکال کر اُسے اُس کے فن کی داد دیتے رہے تھے۔

لیکن شبانہ کی تو آج دنیا لٹ چکی تھی..... جیسے سب کچھ ختم ہو گیا تھا.... سب کچھ لٹ گیا تھا اُس کا......!

لوگوں نے اُسے سر بازار ننگا کر دیا تھا...

شبانہ کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک ڈھلک کر فرش پر گرتے رہے.... جہاں جہاں اُسکے لہو کی بوندیں ٹپکی تھیں وہاں وہاں گر گر کر اُسے دھوتے رہے...!
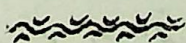
حنّا کے آجکل امتحان ہو رہے تھے ۔!

وہ پڑھائی میں جٹی ہوئی تھی اس لئے ڈاکٹر طارق سے بھی اُسے ملنے کی فرصت نہیں تھی .... اور اُس نے آجکل اُس کے کلینک میں بھی جانا چھوڑ رکھا تھا .... یہی وجہ تھی کہ ڈاکٹر طارق کبھی کبھی خود حویلی کا چکّر لگا جایا کرتا تھا ۔

امی حضور کو ڈاکٹر طارق کا اس طرح حویلی میں آنا سخت ناگوار گذرتا تھا .... لیکن وہ حنّا کی وجہ سے مجبور تھیں .... وہ ہمیشہ اپنے شوہر خان بہادر سے کہا کرتی تھیں کہ یہ لڑکی ضرور گُل کھلائے گی .... ایسی ننگ خاندان لڑکی پیدا ہوئی ہے ۔ لیکن خان بہادر ہمیشہ ہنس کر ٹال جایا کرتے تھے .... انہیں حنّا

پر اُس کے کردار پر پورا پورا بھروسہ تھا۔ جس کے جواب میں امی جھنو کہا کرتیں — "آپ ہی نے اُسے بگاڑا ہے جو آج سر پر چڑھ کر کود رہی ہے —"

زیبا کو رخصت ہوئے چار مہینے گذر چکے تھے .... اسکے چلے جانے سے حویلی میں سناٹا برستا رہتا تھا .... حنا کو اُنکی بہت یاد آتی تھی ..... اپنے شوہر کے گھر سے اب وہ کبھی کبھار ہی آیا کرتی تھیں۔

اس دوران حنا نے وقار بھائی میں بھی ایک زبردست تبدیلی محسوس کی تھی .... اب وہ ہر وقت کھوئے کھوئے اور پریشان سے رہتے تھے ..... ایسا لگتا تھا جیسے کچھ کھو گیا ہے ڈاڑھی بڑھ جاتی تھی تو شیو تک نہیں بناتے تھے .... ورنہ وہ ہمیشہ پابندی سے شیو کرنے کے عادی رہے تھے ..... لیکن معلوم نہیں اُنہیں کیا ہو گیا تھا ... جانے اُنہیں کیا غم تھا جو وہ اندر ہی اندر گھلے جا رہے تھے .... چہرے کی تاب اور چمک تک غائب ہو چکی تھی ... بہت کمزور ہو گئے تھے —؟

حنا نے کئی بار اُن سے اس تبدیلی کے بارے میں پوچھنا چاہا تھا — لیکن ہر بار وہ لاپروائی سے ٹال گئے تھے ..... اُنہوں نے اپنے دل کا راز اُسے نہیں بتایا تھا ... اپنے غم سے آگاہ نہیں کیا تھا —؟

مجبوراً حنا کو خاموشی اختیار کرنا پڑی تھی.... لیکن وہ اپنے وقار بھائی کے لئے کڑھتی ضرور تھی اور اسے اُن پر بیحد ترس آتا تھا۔؟

اس کے علاوہ حنا نے شروع سے ہی ایک بات اور نوٹ کی تھی وہ یہ کہ جب بھی اشرف بھائی گاؤں سے آتے تھے تو دیبا باجی کے پیچھے پیچھے پھرا کرتے تھے اور بہانے بہانے سے اُن سے اپنا کام کروالیتے تھے اور خوش ہو جاتے تھے.... جیسے اُنہیں دیبا باجی سے کوئی خاص لگاؤ تھا ــــ!

حنا اس بارے میں کچھ کچھ سمجھ تو گئی تھی، لیکن خاموش تھی اور اُس نے ابھی تک زباں نہیں کھولی تھی.... لیکن اُس نے دل ہی دل میں اشرف بھائی کے لئے ایک فیصلہ ضرور کر لیا تھا!

اس وقت وہ دالان میں چھوٹی میز پر جھکی ہوئی کتاب پڑھنے میں مصروف تھی کہ گلشن بوا نے آکر اس کے پاس اعلان کیا۔

"اے بٹیا رانی! ڈاگڈر صاحب آئے ہیں ــــ"

"ڈاگڈر نہیں! ڈاکٹر بولا کرو ــــ" حنا نے اسے گھورا تھا ...." جاؤ وقار بھائی کے کمرے میں جا کر بٹھاؤ اور پھر اُن کے لئے چائے تیار کرو ــــ"

"بہت اچھا ــــ"

"اور سنو وقار بھائی کمرے میں کیا ....؟"

نہیں بٹیا رانی! وہ تو گھر میں ٹکتے ہی نہیں..... مدتوں بعد صورت دکھائی دیتی ہے..... پتہ نہیں رات میں کب آکر سو جاتے ہیں ___"

"اچھا جاؤ..... ڈاکٹر صاحب کو کمرے میں بٹھاؤ....."

گلشن بوا جب ڈیوڑھی کے باہر نکل گئیں تو حنا میز پہ سے اٹھی، اندر گئی، آئینے میں اپنی صورت دیکھی، ہاتھوں سے ہی بالوں کے لٹ کو سنوارا اور اپنے کپڑوں کا جائزہ لیتی ہوئی ڈیوڑھی کی طرف بڑھنے لگی۔

وقار بھائی کے کمرے میں پہنچی تو ڈاکٹر طارق کرسی پر بیٹھا ہمیشہ کی طرح مسکرا رہا تھا..... اُسے دیکھتے ہی بولا ___ "ہیلو ___ کیسی ہو ___؟"

"فائن ___!"

"آج کل پڑھائی میں لگی ہوئی ہو ___"

"بہت....." نہ صرف کامیاب ہو کر دکھانا ہے بلکہ پوزیشن بھی لانا ہے، ورنہ گھر والے ناک میں دم کر دیں گے ___ حنا نے ہنس کر جواب دیا تھا....." یہ ساری آزادی اور ہٹ دھرمی دھری کی دھری رہ جائے گی ___"

"شاباش! ___"

"آپ کیسے بھول پڑے ___" حنا نے پوچھا۔

"اگر آنا ناگوار گزرا ہے تو واپس چلا جاتا ہوں ___"

"نہیں ..... نہیں! میرا مطلب یہ نہیں تھا ___" وہ جلدی سے بولی ..." آپ تو غلط مطلب نکال بیٹھے ___"

"اچھا ... اچھا ..... یہ بتاؤ چھٹیوں کا کیا پروگرام ہے ___"

ڈاکٹر طارق اُسے گھور رہا تھا .....

"کہیں باہر چلیں گے ..... شملہ، کشمیر یا مسوری ___ حنا نے اطمینان سے جواب دیا۔

"باہر چلنا تو پڑے گا ہی ___"

"کیوں ___ ؟"

"کیا بھول گئیں ___" ڈاکٹر طارق دھیرے سے پُر اسرار انداز میں مسکرایا ..." اپنی کلینک والی مریضہ سہیلی کو بھول گئیں ..... دو تین ماہ اُس کے ساتھ تمہارا رہنا بہت ضروری ہے ..... ورنہ اُس کی حالت سے تم اندازہ لگا سکتی ہو کہ وہ کیا کر بیٹھے گی ..... اُسے ساتھ میں رکھنا ہمارے لئے بہت ضروری ہے حنا ___"

"اچھا .... وہ .... ٹھیک ہے میں اس کیلئے تیار ہوں ___"

"لیکن تمہارے گھر والے اتنے عرصے تک تمہارے باہر رہنے پر راضی ہو جائیں گے ___ ؟"

"آپ فکر نہ کریں ..... اُنہیں راضی کرنا میرے لئے بائیں

ہاتھ کا کام ہے ۔۔۔" حنا نے چٹکی بجائی تھی ۔۔۔۔" میں اپنی بات منوانا خوب اچھی طرح جانتی ہوں ۔۔۔"

"واقعی ۔۔۔۔" ڈاکٹر طارق شرارت سے مسکرایا۔

"جی ۔۔۔"

"پھر تو مجھے مطمئن ہو جانا چاہیئے ۔۔۔۔" وہ شرارت پر اُترا ہوا تھا ۔۔۔" سب کچھ تم ٹھیک کرہی لوگی۔۔ کیوں ۔۔۔۔ کیا مجھے فکر کرنے کی ضرورت ہے ۔۔۔"

"اچھا ۔۔۔ آپ ۔۔۔۔ آپ ۔۔۔۔؟" حنا کوئی چبھتا ہوا جواب دینے ہی والی تھی کہ گلشن بوا چائے کی ٹرے لے کر اندر چلی آئیں اس لئے اُسے مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔

بشیر میاں کہاں ہیں گلشن بوا ۔۔۔؟"

"بڈھا ہر وقت باہر پھرتا رہتا ہے ۔۔۔" گلسن بوا جل کر بولیں ۔۔۔" بہت ہوائی دیدہ ہو رہا ہے آجکل ۔۔۔۔ کوئی ڈانٹتا بھی نہیں اُسے ۔۔۔۔ ساری مصیبت تو ہم پر ہی آتی ہے ۔۔۔"

حنا بے ساختہ ہنس پڑی اور ہنستے ہنستے کہنے لگی ۔۔۔۔" لیکن بشیر میاں تمہیں تو بہت چاہتے ہیں، لیکن تم اُن کی برائی ہی کرتی رہتی ہو ۔۔۔"

"حرکتیں ہی ایسی کرتا ہے موا ۔۔۔"

"تمہیں محبت نہیں ہے اُن سے ۔۔۔۔؟"

"خاک..... میں کیوں اس بڈھے کھوسٹ سے محبت کرتی پھروں گی ـــ" گلشن بوا ہاتھ نچاتی ہوئی چلی گئی تھیں۔
ڈاکٹر طارق اور حنا کا ہنستے ہنستے برا حال ہو گیا۔
"بڑی بی کو دیکھو تو کہتی ہے کہ بڈھے سے محبت کیوں کروں گی..... وہ جوان لڑکے سے محبت کرنا چاہتی ہے ـــ" ڈاکٹر طارق ہنستے ہوئے بولا۔
"دونوں میں ایسی ہی نوک جھونک چلتی رہتی ہے ـــ" حنا نے جواب دیا اور چائے بنانے لگی.....
"چینی کم ڈالنا ـــ؟"
"کیوں ـــ؟"
"آپ بنا رہی ہیں! میٹھی تو وہ خود ہی ہو جائے گی ـــ"
"چھی..... کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ ـــ"
"کبھی کبھی ایسی باتیں کرنے کو جی چاہتا ہے حنا ـــ" ڈاکٹر طارق نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا..." آپ کا دل کیا چاہتا ہے.....؟"
"جو چاہتا ہے..... وہ میں..... اچھا چائے نوش فرمائیے ـــ" حنا جھینپ کر رہ گئی تھی۔ اس کا چہرہ لال گلابی ہو گیا تھا..
ڈاکٹر طارق مسکرا کر چائے پینے لگا..... اسے اس وقت شرماتی ہوئی حنا بے حد خوبصورت اور دلکش دکھائی دی......

وہ بڑے پیار سے بولا۔

"حنا ——؟"

"ہوں —— !"

"تم .... تم کتنی اچھی ہو ——" ڈاکٹر طارق اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکا .... اور حنا اس بات پر حیران رہ گئی کہ آج پہلی بار اُس نے اُسے آپ کی بجائے تم سے مخاطب کیا تھا .... اور اس "تم" میں کتنی اپنائیت .... کتنا خلوص .... اور کتنا پیار بھرا ہوا تھا؟

"ڈاکٹر صاحب! آپ کے مریض آپ کا انتظار کر رہے ہوں گے ——"

"لیکن حنا! ...." ڈاکٹر طارق ایک لمحے کیلئے رکا .... "یہ ڈاکٹر تو اب خود ایک مریض ہو چکا ہے ——"

"خدا نہ کرے .... کیسی بد فالی منہ سے نکالتے ہیں ——؟"

"سچ کہہ رہا ہوں ——"

"اچھا .... یہ کفر چھوڑیئے .... دیکھیئے کیا وقت ہو رہا ہے ...." حنا نے اپنی رسٹ واچ اُسے دکھاتے ہوئے کہا .. "کلینک دیر سے جائیں گے تو مریضوں کا کیا ہو گا ——"

"لیکن میرا کیا حال ہو گا کبھی سوچا آپ نے ....؟"

"مجھے آجکل سوچنے کی فرصت نہیں ہے —— پلیز .... دیکھئے اگر امتحان میں فیل ہو گئی تو پار نہیں جا سکوں گی ——"

"دھمکی دے رہی ہو مجھے ـــ"

"کچھ بھی سمجھ لیجیئے ـــ"

"اچھا تو پھر خدا حافظ ـــ" ڈاکٹر طارق اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"فی امان اللہ ـــ" حنا نے مسکرا کر جواب دیا۔

ڈاکٹر طارق نے مسکرا کر مصافحہ کے لئے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو حنا نے اپنا ہاتھ بغیر کسی ہچکچاہٹ کے اُس کے ہاتھ میں دے دیا ـــ

دونوں کے ہاتھ چند لمحوں کے لئے ایک دوسرے میں دبے رہے اور پھر ایک لطیف دباؤ کے ساتھ جدا ہو گئے۔

وقار کی تو دنیا ہی بدل گئی تھی ۔۔۔؟

اُسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شبانہ کے ساتھ جو دن رات اُس نے گزارے تھے وہ سب کچھ ایک خواب تھا.....؟

اگر یہ خواب نہ ہوتا تو پھر شبانہ اتنی جلدی اُس سے جدا نہیں ہو جاتی..... اور وہ پھر تنہا نہ رہ جاتا ۔۔۔ اُسے یقین نہیں آتا تھا کہ اُس کا خواب اتنی جلدی ٹوٹ جائے گا.... اتنی جلدی بجھ جائے گا..... اور وہ بھٹکنے کے لئے زندہ رہ جائے گا....؟

غم اُٹھانے کے لئے وہ جیئے جائے گا....!

اُسے نہیں معلوم تھا کہ شبانہ اس کی زندگی میں زہر گھول جائے گی.... اُسے تباہ و برباد کر جائے گی..... وہ تو اُسے

مقدس اور پاکیزہ کوئی آسمانی حور سمجھا تھا.... لیکن وہ تو ایک بازاری عورت نکلی تھی.... ایک طوائف.... جو چند سکوں کے عوض میں اپنی ادائیں بیچتی تھی.... اپنا جسم بیچتی تھی....؟

یہ کیسی گندگی تھی جو اس نے نالی سے اٹھا کر اپنے منہ پر پوت لی تھی.... اب اس گندگی اور اس کی سڑاند سے اسے اُبکائیاں آ رہی تھیں.... دماغ سڑا جا رہا تھا.... اس کا دم گھٹ رہا تھا اور سانس لینا دوبھر ہو گیا تھا۔!

وقار کو یقین نہیں آ رہا تھا.... کہ شبانہ بے وفا نکلے گی.... اسے اتنا بڑا دھوکا دے گی.... اور ایک ناگن کی طرح اسے ایسا ڈسے گی کہ وہ پانی بھی نہیں مانگ سکے گا.... لیکن اس روز تھیٹر میں اس نے جو کچھ سنا اور جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا وہ ایک تلخ حقیقت تھی.... وہ اسے جھٹلا نہیں سکتا تھا۔۔۔!

وہ شبانہ کو چھوڑ کر وہاں سے بھاگ آیا تھا....

بھاگ آیا تھا.... اگر بھاگ نہ آتا تو ہزاروں گندی گالیاں کنکھجورے بن کر سینکڑوں پیروں کو اس کے جسم کے اندر پیوست کر دیتیں.... اسے دیمک کی طرح چاٹ جاتیں.... اور شبانہ.... شبانہ ناگن کی مانند اس کے پیروں کے گرد لپیٹ لپیٹ جاتی.... چاروں طرف

سے کس لیتی اُسے .... اور اپنا تمام زہر اُس کے اندر اُتار دیتی ..
.... اس لئے بھاگ آیا تھا .... سب کچھ چھوڑ کر بھاگ آیا
تھا۔

اس کے بعد اُسے پتہ نہیں تھا کہ شبانہ کا کیا ہوا، اُس پر
کیا گزری ـــــ ؟

وہ اس فلیٹ پر بھی واپس نہیں گیا تھا جہاں وہ بڑے
چاؤ اور بڑے ارمانوں کے ساتھ شبانہ کو بیاہ کر لے گیا
تھا اور ایک نئی زندگی کا آغاز کیا تھا .... لیکن یہ آغاز کتنے
بھیانک انجام پر پہنچے گا یہ وہ نہیں جانتا تھا .... وہ فلیٹ
اس کے خوابوں کی جنت ثابت نہیں ہوا تھا ..... وہ تو اُس
کے لئے جہنم بن گیا تھا۔ !

اس لئے وہ واپس اس جہنم میں کیسے جاتا ـــ کیوں
جاتا ..... ؟

شبانہ نے اُسے دھوکا دیا تھا .... سر بازار کلنک کا
ٹیکہ لگا دیا تھا .... بیچ چوراہے پر اُسے ذلیل کر دیا تھا ـــــ
اور اس کی عزت کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی تھیں ..... اور
اس کے باوجود کہ وہ وہاں سے بھاگ آیا تھا .... سب کچھ
..... یہاں تک کہ شبانہ کو بھی چھوڑ آیا تھا ..... لیکن جانے
کیا بات تھی کہ اُسے پھر بھی چین نصیب نہیں ہوا تھا۔

شبانہ بے وفا نکلی تھی ـــــ لیکن اس کے باوجود اُسے بھلانا اُس کے بس میں نہیں تھا......؟

وفا آرا اُسے جب جب بھولنے کی کوشش کرتا وہ اُسے اور شدت کے ساتھ یاد آتی ـــــ ایک ایک بات، ایک ایک ادا اُسے یاد آتی...... شبانہ کی باتیں یاد آتیں... اور یاد آتی اُس کی محبت.... اس کا پیار..... اور وہ راتیں.... حسین، کیف وسرور میں ڈوبی ہوئی، پھولوں سے مہکتی ہوئی اور شباب سے چور چور وہ راتیں جن میں اُس نے شبانہ کے سامنے اپنا دل نکال کر پیش کر دیا تھا۔

وہ ان لمحات کو کیسے بھولتا..... وہ تو ابھی تک اُس کی سانسوں میں مہک رہے تھے.... دل بن کر دھڑک رہے تھے.... نہیں وہ ایک لمحہ کو اور شبانہ کو کبھی نہیں بھلا سکتا تھا۔

اور اس کی غیرت یہ بھی گوارہ نہیں کر سکتی کہ وہ واپس لوٹ کر جائے اور اُس گندی نالی کی کیچڑ کو دوبارہ اُٹھا کر اپنے چہرے پر مل لے.... کالک پوت لے اپنے اُوپر اور تمام زندگی دنیا کی نظروں میں ذلیل و خوار بن کر زندہ رہے ـــــ؟

....وہ کیا کرے ـــــ اُس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا.... اس حادثے نے اُسے پاگل بنا دیا تھا.... اُسے ایسا لگتا تھا جیسے وہ غموں کے مہیب پہاڑوں تلے دبا ہوا سسک رہا ہو....

کچلا چلا جا رہا ہو ـــــ؟

خلش ..... ایک کسک اُسے چین نہیں لینے دیتی تھی اور وہ دیوانوں کی مانند یونہی بے مقصد سڑکوں پر سکون کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہتا تھا ـــ بھٹکتا پھرتا تھا ...... دن دن بھر ... رات گئے تک بھوکا پیاسا .....

لیکن چین پھر بھی نہیں ملتا تھا۔

شبانہ ـــ وہ حسین ناگن اُسے بہت یاد آتی تھی۔ اُس کی یاد آ آ کر بے حد تڑپاتی تھی .... اور غم کا بوجھ سینے پر بڑھتا چلا جاتا تھا۔ بڑھتا چلا جاتا ـــ اور وہ تھک کر بیٹھ جاتا تھا ..... ہمت ہار بیٹھا تھا اور تنہائی میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا تھا ـــ !

اُسے سب سے زیادہ دکھ تو اس بات کا تھا کہ شبانہ نے کبھی بھی اُسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی تھی کہ ماضی میں وہ کیا تھی .... اُس نے جان بوجھ کر اُس سے یہ چھپایا تھا کہ وہ تھیٹر کی ایک ناچنے اور گانے والی رقاصہ تھی ـــ ؟

وہ پرچہ آج تک آفاق کے پاس تھا — !

وہ پرچہ جس میں زیبا نے ایک شعر لکھ کر اپنے دل کی ترجمانی کی تھی اور اُس کی دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے وہ رخصت ہو گئی تھی —؟

پیا کے دیس چلی گئی تھی۔

اُس اجنبی گھر میں اجنبی لوگوں کے درمیان کہ جہاں آج تک اُس کے خیالات بھی نہیں گئے تھے.... اور آفاق کو دے گئی تھی ایک گھاؤ.... گہرا داغ کہ جس کی ٹیس سے وہ تڑپ رہا تھا.... بلک رہا تھا.... اُس کی محبت کا یہ انجام ہوگا یہ تو آفاق نے سوچا بھی نہیں تھا —؟

اُٹھ کر تو آ گئے ہیں تیری بزم سے مگر ٭ کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں

اس شعر میں زیبا نے جیسے اپنا دل نکال کر رکھ دیا تھا، اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کر دی تھی اور آفاق کو رخصت ہوتے وقت جیسے بتا گئی تھی کہ ایک وہی تڑپنے، سلگنے اور آنسو بہانے کے لئے اکیلا نہیں رہ گیا ہے ..... خود وہ بھی اس کے غم میں برابر کی شریک تھی .... اُس کی محبت میں گرفتار تھی اور اب پرائے گھر گئی تھی تو ایک ٹوٹا ہوا دل لیکر گئی تھی ۔ !

کیسی سوغات لیکر گئی تھی ۔

یہ آفاق کی کتنی بدنصیبی تھی کہ اُس نے اپنی محبوبہ کی شادی کا سارا انتظام خود کیا تھا اور اپنے ہاتھوں سے ایک پرائے مرد کے حوالے کر دیا تھا .... اجنبی ہاتھوں میں سونپ دیا تھا ۔ .... شادی کے ہنگامے میں آفاق کا دل رو رہا تھا اور وہ کام کر تا رہا تھا .... وقار نے ساری ذمہ داری اُس کے کاندھوں پر چھوڑ دی تھی .... وہ اُس کے لئے مجبور تھا .... اپنے لٹنے کا تماشہ دیکھنے کے لئے مجبور تھا ۔ !

اُس کی دنیا لٹ رہی تھی اور وہ اپنی بربادی کا انتظام خود اپنے ہاتھوں کر رہا تھا ۔

کتنا بڑا دکھ .... کتنا بڑا المیہ تھا یہ ۔ ؟

اور جب شادی کے تمام ہنگامے دم توڑ گئے تھے .....

دھوم دھام اور شور غل کی بجائے سناٹا چھا گیا تھا .... اور

جب زیبا ہولے ہولے سسکیاں بھرتی اور موٹے موٹے آنسوؤں کے ساتھ روتی اور دھڑکتے دل کے ساتھ پالکی میں رخصت ہو گئی تھی تو آفاق سے جیسے صبر نہیں ہو سکا تھا.... اُس سے یہ منظر نہیں دیکھا گیا تھا اور وہ بھاگ آیا تھا.... بھاگ آیا تھا.... وہاں اُس درخت کے نیچے آکر کھڑا ہو گیا تھا کہ جن کی شاخوں میں کئی پرچے اُس نے اپنی محبوبہ کو پہنچانے کے لئے اٹکائے تھے....

اس پیڑ کے نیچے وہ دیر تک کھڑا دھیرے دھیرے سلگتا رہا تھا.... اپنا درد دبائے ہولے ہولے کپکپا رہا تھا.... رو رہا تھا!

اور تب ہی اُس کی نگاہیں اُس پرچے پر جا کر مرکوز ہو گئی تھیں جو مڑا تڑا سا پڑا ہوا تھا؟

آفاق نے آگے بڑھ کر وہ کاغذ اُٹھا لیا اور اُسے بے حد اشتیاق سے کھولنے لگا...... اور تب اُسے یہ شعر لکھا ہوا نظر آیا۔

اُٹھ کے تو آ گئے ہیں تیری بزم سے مگر
کچھ دل ہی جانتا ہے کہ کس دل سے آئے ہیں

اور یہ شعر اُس کی محبوبہ نے پہلی اور آخری بار اُسے لکھا تھا اور چلی گئی تھی پرائے دیس، بیگانے لوگوں کے اور جاتے جاتے آفاق کو یہ جتا گئی تھی کہ وہ خود ہی تنہا محبت کی آگ میں

نہیں سلگ رہا تھا بلکہ زیبا بھی اسی آگ میں جل رہی تھی۔
لیکن دونوں اپنی اپنی جگہ مجبور تھے..... بے بس اور لاچار تھے..... دونوں کی زبانیں خاموش تھیں.... یہ کیسی چاہت تھی..... کیسا گونگا پیار تھا۔
اسی خاموشی نے اُن کی محبت کی بھینٹ لے لی تھی... قربان ہو گئی تھی اُن کی محبت ... لٹ گیا تھا اُن کا پیار .....!
اور تب سے یہ پرچہ آفاق کے پاس تھا، وہ اس پرچے کو اپنے سینے اپنے دل کے ساتھ لگائے لگائے پھرتا تھا..... یہ اُس کی محبوبہ کی آخری نشانی تھی۔
اب تو آفاق کی دنیا ہی بدل گئی تھی.....
دن بھر اپنے کمرے میں بند پڑا رہا کرتا.... اور جب کبھی اُس پر وحشت سوار ہو جاتی تو پھر سڑکوں پر یونہی آوارہ گردی کرنے نکل کھڑا ہوتا، رات گئے تک چاروں طرف بھٹکتا پھرتا.... گھومتا رہتا.... لیکن دل کا وہ سکون اُسے نہیں ملتا جو زیبا اپنے ساتھ لے گئی تھی۔
آفاق کی زندگی سے چین جیسے رخصت ہو چکا تھا۔
کبھی کبھی اُس کی ملاقات وقار سے بھی ہو جایا کرتی.... وہ آجکل خود بے حد پریشان، اُداس اور ملول تھا کہ اُس کی محبت کی شادی اُسے راس نہیں آئی تھی.... اس لئے وقار خود سکون

کی خاطر چاروں طرف بھٹکتا پھرتا تھا..... اور میجہ دکھی تھا؟
آج بھی دونوں ایک سڑک پر ٹکرا گئے۔!
"ارے آفاق تم ــــ؟"
"ہاں یہ میں ہوں .... لیکن تم نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے وقار ــــ؟" اُس سے رہا نہیں گیا۔
"چلتے دو یار .... جیسی بھی حالت ہے اُسے چلنے دو۔"
"لیکن یہ ......؟"
"سزا دے رہا ہوں اپنے آپ کو ــ" وقار نے جلدی سے اپنی بات کاٹتے ہوئے جلدی سے کہا۔ "سزا دے رہا ہوں کہ کیوں میں نے دھوکا کھایا..... کیوں دھوکا کھایا ــــ؟"
"غلطی تمہاری ہے نہ ......" آفاق نے پھر کچھ کہنا چاہا۔
لیکن وقار نے پھر اُس کی بات کاٹ دی۔ "نہیں دوست غلطی تو بس تقدیر کی ہے .... اب سب کچھ ختم ہو گیا ہے ... جب تک جیوں گا اس کا خمیازہ بھگتوں گا ــــ"
"مگر یہ ......"
"چھوڑ مــــ" وقار ہاتھ اُٹھا کر بولا۔ "کوئی اور ذکر کرو ... ہاں یہ بتاؤ تمہاری حالت ایسی کیوں بنی ہوئی ہے ..... کیا تم نے بھی کوئی دھوکا کھایا ہے یار ــــ؟"
"نہیں تو .....؟"

"پھر......؟"

"بس ایسے ہی...... میں تو...... میں تو بالکل ٹھیک ہوں"

آفاق گڑبڑا کر رہ گیا تھا۔

"ٹھیک ہی رہو دوست اور میری طرح کبھی برباد نہ ہونا" وفا نے اُس کا شانہ تھپتھپایا اور آگے بڑھ گیا تھا۔

آفاق اُسے دور تک جاتے ہوئے دیکھتا رہا اور سوچتا رہا...... محبت بھی کیا چیز ہوتی ہے.... انسان کو کہاں پہنچا دیتی ہے۔

شام ہوتے ہی چراغوں کو بجھا دیتا ہوں
دل ہی کافی ہے تری یاد میں جلنے کیلئے

امتحان ختم ہوتے ہی حنا نے کسی پہاڑی مقام پر جانے کی تیاریاں شروع کر دیں۔

لیکن ابھی اُس نے اپنے پروگرام سے کسی کو مطلع نہیں کیا تھا؟

دو چار دن بعد وہ بتانے ہی والی تھی کہ ہما آپا کا رشتہ لیکر کچھ لوگ وارد ہو گئے۔ لوگ تو خاندانی تھے.... لیکن لڑکا کوئی معقول ملازمت میں نہیں تھا.... مگر پھر بھی اُس کے لئے ترقی کے امکانات تھے ——!

ایک بار پھر سب لوگ ایک جگہ جمع ہوئے اور اس رشتے پر سب نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا.... کچھ پس و پیش کے ساتھ متفقہ فیصلہ ہو گیا کہ اس رشتے کو خاموشی کے ساتھ منظور

کرلیا جائے..... ایسے خاندانی لوگ آجکل ملتے کہاں تھے.....اور اگر ہما کی تقدیر اچھی ہوئی تو لڑکا کسی بھی وقت بہت زیادہ ترقی کر سکتا تھا۔

سب کو خوشی تو ضرور ہوئی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ دکھ بھی بہت گہرا ہو گیا تھا کہ ہما کا تو رشتہ آیا.... دیبا باجی کا رشتہ نہیں آیا تھا..... اس کا مطلب تھا کہ اُن کے خدشے بے بنیاد نہیں تھے —

جب بڑی لڑکی کے ہوتے ہوئے چھوٹی لڑکی کی شادی ہو جاتی ہے تو پھر بڑی لڑکی کے پیغام مشکل سے آتے ہیں.....!

اور یہ کلہاڑی دیبا باجی نے خود اپنے پاؤں پر ماری تھی۔

بہر حال یہ رشتہ طے ہونے سے کسی کو بہت زیادہ خوشی نہیں ہوئی تھی..... کیونکہ دیبا کا المیہ منہ پھاڑے اُنکے سامنے تھا —!

حنا نے دو چار دن اور گزر جانے دیئے اور اس کے بعد اس نے چھٹیاں کسی پہاڑ پر جا کر گزارنے کا اعلان کر دیا۔

"کیا... تم اکیلی پہاڑ پر جاؤ گی..... اور وہاں اکیلی رہو گی —؟" امی حضور نے اس کے اس زبردست اور دھماکا خیز اعلان کے بعد پوچھا۔

"جی ہاں.... کیا حرج ہے —"

"لڑکی..... کہیں تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا ہے ـــــ"
امی حضور نے اپنی آنکھیں پھاڑ دیں ... بولو اور سنو.... روز روز نئی نئی باتیں سیکھ کر آتی ہے نامراد..... جب ہی کالج میں پڑھنے کو منع کرتی تھی کہ دیدہ ہوائی ہو جائے گا...... لیکن میری سنتا ہی کون ہے.... کہاں ہیں اب سُنیں اپنی لاڈلی بیٹی کی باتیں ـــ"

"کیا بات ہے بھئی..... کیوں گلا پھاڑ پھاڑ کر چلّا رہی ہو..." خان بہادر گھر میں داخل ہوتے ہوئے بولے..... "کیا مصیبت نازل ہو گئی ہے آپ پر ـــ؟"

"آیئے..... تشریف لایئے جناب ـــ" امی حضور نے انہیں طنز سے کہا..... "بیٹھ کر سنیئے اپنی لاڈلی بیٹی کے ارشادات ..... کیا پھول جھڑ رہے ہیں ـــ فرماتی ہیں کہ اس بار گرمیوں کی چھٹیاں پہاڑ پر گذاروں گی ـــ؟"

"کونسے پہاڑ پر بھئی.....؟" خان بہادر نے حنا کی طرف دیکھا تھا۔

حنا نے اپنی گدی کھجائی اور پھر ٹھنکتے ہوئے بولی "ابا حضور! دیکھئے تو ہم آج تک کسی پہاڑ پر نہیں گئے ہیں، اس بار ضرور جائیں گے ـــ"

"کونسے پہاڑ پر.....؟"

"شملہ یا کشمیر ـــ"

"بھئی میرے خیال سے تو تمہیں نینی تال سوٹ کرے گا"
خان بہادر نے نہایت اطمینان سے جواب دیا...... "نینی تال
چلی جاؤ ــــ"

"لو اور سنو..... کیا سٹھیا گئے ہیں آپ، جوان جہان لڑکی
کو اکیلے پہاڑ پر کیسے مزے سے بھیج رہے ہیں ــــ کچھ ہوش بھی
ہے آپ کو ــــ" امی حضور کا پارہ ایکدم چڑھ گیا تھا۔

"تو اس میں حرج ہی کیا ہے ــــ؟"

"کوئی حرج نہیں ہے.... بھگاؤ.... خوب آزادی سے
بھگاؤ لڑکی کو..... کسی دن ناک کٹے گی تو پوچھوں گی ــــ لو
اندھیر ہے..... باپ بیٹی دونوں مل گئے..... اکیلی جوان لڑکی
کو پہاڑ پر بھیج رہے ہیں ــــ"

"میں اکیلی نہیں ہوں... میرے ساتھ میری سہیلی بھی ہوگی
ــــ" حنا نے غصے سے جواب دیا۔ "آپ اناپ شناپ جو منہ
میں آرہا ہے کہے جا رہی ہیں ــــ"

"کون سہیلی ہے ــــ؟"

"ہے ایک....."

"میں بھی تو سنوں کون ہے وہ ــــ؟"

"بس کہہ دیا میری سہیلی ہے، اس کے ساتھ جاؤں گی
..... ابا حضور نے کہہ دیا ہے اس لئے اب مجھے کسی کا ڈر نہیں"

"سُن رہے ہیں آپ ..... کیسی زبان چلا رہی ہے میرے ساتھ یہ لڑ دار ــــ؟"

"ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہے بھئی ــ" خان بہادر آہستہ سے مسکرائے تھے ..... "تم تو خواہ مخواہ شک کرتی رہتی ہو ..... یہ اچھی بات نہیں ہے ... مجھے معلوم ہے یہ ہماری لڑکی ہے ..... خان بہادر احمد ریاض کی بیٹی ..... اس لئے کبھی کوئی ایسا قدم نہیں اُٹھائے گی جس سے ہماری عزت یا شان پر کوئی حرف آئے ..... کیوں بیٹیا ــــ؟"

"جی ابا حضور ــ"

"دیکھا ....." خان بہادر نے خوش ہو کر ایک قہقہہ اُچھالا تھا۔

"بہت خوش ہو رہے ہو ....." امی حضور نے غصیلے لہجے میں کہا ــ "کسی دن سر پکڑ کر رو ئیں گے تب پتہ چلے گا یہ لچھن مجھے ایک آنکھ بھی نہیں بھاتے ہیں .... لڑکی کو اتنا سر چڑھا لیا کہ اب اس کے دوست گھر پر بھی آنا شروع ہو گئے ہیں ..... بھلا یہ دوستی کیسی ہے ..... ڈاکٹر سے کیا دوستی ہو سکتی ہے ــ"

"امی حضور ــــ؟" تانیا چیخ پڑی تھی۔

"کیا میں جھوٹ بول رہی ہوں ..... ڈاکٹر طارق نہیں

آتا ہے تجھ سے ملنے ۔۔۔؟"

حسنا نے غصیلے انداز میں چیختے ہوئے کہا۔ "ہاں آتا ہے ۔۔۔ وہ آئے گا۔۔۔ اور ہمیشہ آتا رہے گا۔۔۔ میں نے آپ کو اُس کے بارے میں پہلے بھی بتا دیا تھا۔۔۔"

"سُن لیا آپ نے ۔۔۔؟"

"جی ہاں سُن لیا۔" خان بہادر نہایت اطمینان سے بولے۔۔۔ "تم ہمیشہ گندی اور غلط باتیں سوچا کرتی ہو۔۔۔ میری بیٹی نے اگر اُسے اتنا قابل سمجھا ہے کہ وہ۔۔۔ کہ وہ۔۔۔ بھئی اس میں حرج ہی کیا ہے۔۔۔ آجکل زمانہ بہت آگے نکل چکا ہے۔۔۔ صرف ہم پیچھے رہ گئے ہیں۔۔۔ بیگم۔۔۔ تمہارا زمانہ نہیں ہے کہ جب میری مرضی بغیر تمہیں میرے سر منڈھ دیا گیا تھا۔۔۔ نتیجے میں ہم آج تک تمہیں برداشت کرتے چلے آ رہے ہیں۔۔۔"

"کیا۔۔۔ کیا آپ مجھے برداشت کر رہے ہیں ۔۔۔"

امی جھنجھوڑ دہاڑی تھیں۔۔۔ "یا ہم آپ کو برداشت کر رہے ہیں۔۔۔ ہماری تو تبھی تقدیر پھوٹ گئی تھی جب آپکو ہمارے پلّے باندھ دیا گیا تھا۔۔۔"

"تمہارے باپ نے ہمارے باپ کی چوکھٹ پر آ کر اپنی ناک رگڑی تھی ۔۔۔"

"میرے باپ کو ایسی کیا غرض پڑی تھی .... تمہارے ہی ماں باپ سو سو بار ناک رگڑنے کے لئے آتے تھے .... میں کوئی گری پڑی تھی ——؟"

حنا اپنے ماں باپ کو آپس میں الجھتے دیکھ کر نہایت اطمینان سے مسکرائی اور پھر بہت ہی شان سے ڈیوڑھی سے باہر نکل آئی تھی۔

چند ہی لمحوں بعد وہ رکشے میں ڈاکٹر طارق کے کلینک کی طرف اڑی چلی جا رہی تھی۔

ڈاکٹر طارق حسب معمول اپنے مریضوں میں گھرا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر صاحب ——"

"آہاہ .... آپ .... وہ آئی ہمارے کلینک میں خدا کی قدرت ہے ——"

"بس .... بس .... یہ شعر اتنی بار سنا ہے کہ جی متلانے لگتا ہے ——"

"تو پھر نیا شعر سناؤں ——؟"

"سنائیے ——"

"عرض کیا ہے

بیری جگ میں کون ہے ایسا
جیون بھر جو ساتھ نبھائے

ــــ ہو کیسا ہے ــــ"

"ہاں ٹھیک ہے ــــ" حنا نے بے رخی سے جواب دیا ــــ "میں تمہیں ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں ــــ"

"فرمائیے ــــ؟"

"مجھے پہاڑ پر جانے کی اجازت مل گئی ہے ... نینی تال چلیں گے ہم لوگ ... بس اب فوراً تیار ہو جاؤ ــــ"

"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے ــــ" ڈاکٹر طارق خوش ہو کر بولا ــــ "جاؤ یہ خوشخبری تم اندر اسپیشل روم میں جا کر اپنی سہیلی کو بھی سنا دو ....."

"بہت اچھا حضور ــــ"

"او ــ کے .... او .... کے ...." ہر بڑا کر ڈاکٹر طارق اپنے مریضوں کی طرف متوجہ ہو گیا تھا ــ

اور حنا اکڑتی ہوئی اسپیشل روم کی طرف بڑھ گئی تھی ــ
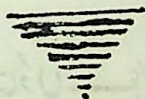
اشرف بھائی گاؤں سے آئے ہوئے تھے۔

فصل کٹ چکی تھی اور باغ کو بھی اٹھایا جاچکا تھا اس لئے وہاں کوئی دیکھ بھال کا زیادہ کام نہیں تھا اور وہ شہر آگئے تھے۔

حنا کو پہاڑ پر گئے ہوئے ڈھائی مہینے بیت چکے تھے ..... اور وہ ہر خط میں یہی لکھتی تھی کہ اگلے ہفتہ وہ ضرور آجائے گی ..... اور تو کوئی اُس کی طرف سے زیادہ فکرمند نہیں تھا لیکن اُس کی امی حضور کی آنکھوں سے نیندیں اُڑتی جارہی تھیں ......

پھر زیبا بھی اپنی سسرال سے آگئی ......

اشرف بھائی نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا — "ارے! آؤ۔ آؤ..... زیبو بی بی، آؤ تم نہیں تھیں تو حویلی کاٹنے کو دوڑ رہی تھی..... حنا کی بچی بھی آجکل گھر سے غائب ہے اس لئے بہت سونا سونا لگتا تھا —"

"حنا کہاں گئی ہے —" زیبا نے برقعہ اُتارتے ہوئے پوچھا۔

"نینی تال —" اشرف بھائی نے جواب دیا — "کہو تم زیبو بی بی! تم خوش تو ہو نا —"

"جی! زیبا نے سر جھکا کر آہستہ سے کہا۔

"اور تمہارے میاں —؟"

"ٹھیک ہیں سب اشرف بھائی —" زیبا نے گہری سانس لی تھی..... "سب ٹھیک ہیں زندگی تو گذر ہی رہی ہے نا —"

اتنی دیر میں دیبا باجی اور امی حضور بھی کمرے میں سے نکل آئی تھیں..... "ارے زیبو! آگئی تو —"

"سلام امی حضور! تسلیم دیبا باجی —"

"جیتی رہو بیٹی، نصیبہ اچھا ہو —" امی حضور نے دعائیں دیتے ہوئے اُسے گلے سے لگا لیا۔

زیبا کی آنکھوں سے خود بخود آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر

گونے لگے۔

"ارے رو رہی ہے پگلی"

زیبا کی ہچکیاں بندھ گئیں..... برداشت کرتے کرتے بھی ہمت ٹوٹ ہی گئی..... دیبا باجی نے اُس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "یہ کیا زیبا! اب تو گھر آگئی ہو..... گھر آتے پر تو تمہیں خوش ہونا چاہیئے — یا کہ آنسو بہانے لگیں —"

"دل بھر آیا تھا....."

"چلو منہ ہاتھ دھو لو..... شربت بنا دوں، کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا....."

"نہیں! مجھے کسی چیز کی خواہش نہیں ہے"

لیکن اشرف بھائی نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور خود باورچی خانے کی طرف لپکے چلے گئے۔ اور ذرا سی دیر میں زیبا کے لیئے شربت بنا کر لے آئے.....

"یہ لو زیبو بابی — پی جاؤ....."

"اوہ اشرف بھائی....." زیبا منمنائی تھی۔

زیبا نے شربت پیا تو واقعی اُسے کچھ تسکین سی مل گئی..... اُس نے اپنا سامان کمرے میں پہنچایا اور منہ ہاتھ دھونے غسل خانے کی طرف چلی گئی۔

جب وہ منہ دھو کر آئی تو امی حضور اُس سے اُس کی سسرال کے حالات کرید کرید کر پوچھنے لگیں ..... اشرف بھائی بور ہو کر حویلی سے باہر نکل گئے .....

امی حضور تھوڑی دیر بعد نماز پڑھنے چلی گئیں تو وہ کچھ دیر تک بیٹھی دیبا باجی سے باتیں کرتی رہی اس کے بعد اُٹھ کر چھت پر چلی گئی۔

چھت پر آتے ہی اُسے ایکدم آفاق یاد آگیا ــــ!

بے خیالی میں آگے بڑھ کر اس نے کھڑکی کھول دی اور سامنے اُس طرف دیکھنے لگی جہاں آفاق آکر کھڑا ہوتا تھا ..... اور خوا شاخ میں اٹکاتا تھا ..... اور کتنی گہری نظروں سے اُسے دیکھتا تھا ..... لیکن آج وہ جگہ سنسان اور ویران پڑی ہوئی تھی ..... جیسے نحوست برس رہی ہو ..... تریّا بہت دیر تک کھڑکی سے باہر تکتی رہی ..... اور اس کے بعد کھڑکی بند کر کے خاموشی سے نیچے اُتر آئی جہاں ابا حضور کھڑے ہوئے تھے ـ

"تسلیم ابا حضور ــــ"

"جیتی رہو بیٹی! کب آئیں تم ــــ؟"

"جی ابھی ــــ"

"سب خیریت تو ہے نا ــــ؟"

"جی ہاں ـــ"

"شکر ہے !ــ" ابا حضور نے اُس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ...." ابھی ابھی حنا کا خط بھی آیا ہے ـــ"

"کیا لکھا ہے اُس نے ـــ؟"

"لکھا ہے کہ وہاں کچھ بیمار ہو گئی ہے ..... اس لئے اُسکے آنے میں مزید ایک ہفتہ کی تاخیر ہو جائے گی ـــ"

"لو اور سنو..... اُسے گئے ہوئے تین مہینے ہو جائیں گے اور وہ آنے کا نام نہیں لے رہی ہے ـــ ابھی کیا اُسے اور ڈھیل دینے کا ارادہ ہے ـــ" امی حضور نے دہاڑتے ہوئے کہا....

...." میں کہتی ہوں کہ یہ اندھیر ہے یا نہیں ـــ"

"وہ بچی نہیں ہے بیگم ـــ"

"مجھے تو بہت ڈر لگتا ہے..... خدا بُری گھڑی نہ لائے .... جوان لڑکی ہے.... کل کلاں ہم کسی کو منہ دکھلانے کے قابل نہ رہ جائیں ـــ"

"تم تو بیکار کی باتیں سوچتی رہتی ہو ـــ" ابا حضور بڑبڑاتے ہوئے باہر والے کمرے کی طرف چلے گئے تھے۔

زیبا نے دیبا باجی سے پوچھا ـــ "وقار بھائی کہاں ہیں ـــ؟"

"اُن کا کوئی پتہ نہیں چلتا آجکل ـــ"

"کیوں...... کیا کوئی ملازمت کرلی ہے انہوں نے؟"

"نہیں...... لیکن وہ کچھ پریشان پریشان سے ضرور دکھائی دے رہے ہیں ـــ"

"کیوں ـــ؟"

"بتاتے نہیں..... بہت خاموش اور تنہائی پسند ہو گئے ہیں ـــ"

"اوہ ـــ" زیبا گہری سانس لے کر رہ گئی تھی۔ اس کا دل اپنے اکلوتے بھائی کے لئے تڑپ کر رہ گیا...... اور وہ وقار سے ملنے کے لئے بے قرار ہو گئی۔

وقار سے اُس کی ملاقات رات گئے ہوئی تھی جب وہ پتہ نہیں کہاں کہاں سے بھٹکتا ہوا واپس لوٹا تھا...... وہ اس کے انتظار میں جاگتی رہی تھی۔

"وقار بھائی! ـــ"

"کون! ـــ؟"

"یہ میں ہوں وقار بھائی...... زیبا ـــ!"

"ارے میری بھنّو! کب آئی تو ـــ؟"

"آج شام کو ـــ"

"ابھی تک جاگ رہی ہو تم..... اتنی رات گئے....؟"

وقار اُسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا..... "سب خیریت

تو ہے نا ۔۔۔؟"

"جی ہاں سب خیریت ہے ۔۔۔۔ زیبا نے اپنے بھائی کی حالت دیکھتے ہوئے کہا ۔۔۔۔ "لیکن وقار بھائی ایک بات پوچھوں ۔۔۔؟"

"کیا بات ہے بہن ۔۔۔؟"

"یہ ۔۔۔۔ یہ آپ نے اپنی کیا حالت بنا رکھی ہے ۔۔۔؟"

"حالت ۔۔۔۔ ٹھیک تو ہوں میں ۔۔۔۔ دیکھو اچھا خاصہ ۔۔۔ تندرست اور زندہ ہوں ۔۔۔!" وقار نے خواہ مخواہ مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

"وہ تو میں دیکھ رہی ہوں کہ آپ زندہ ہیں ۔۔۔؟"

"پھر ۔۔۔۔ پھر تمہیں کاہے کی فکر ہے زیبو بی بی ۔۔۔۔" وقار نے اپنے کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا ۔۔۔۔ "جب تک زندہ ہوں تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ۔۔۔"

"اپنا دکھ مجھے بھی نہیں بتائیں گے ۔۔۔۔ اپنی بہن کو بھی نہیں ۔۔۔؟"

"دکھ ۔۔۔۔ ارے ہمیں کون سا دکھ ہو سکتا ہے بھلا ۔۔۔۔ تم تو پاگل ہو ۔۔۔۔ ہماری وجہ سے پریشان نہ ہو اور جاؤ اپنے کمرے میں جا کر سو جاؤ ۔۔۔۔ چلو جاؤ شاباش ۔۔۔" وقار بھائی بہت پیار سے اُسے اُٹھا کر اُس کے کمرے تک چھوڑ گئے ۔۔۔

اور زیبا اُن کی حالت دیکھ کر لرز کر رہ گئی...... کتنے کمزور ہو گئے تھے وہ...... کتنا بدل گئے تھے..... وہ اپنے دکھوں کو چھپانا بھی خوب جانتے تھے ۔۔۔؟

زیبا بستر پر لیٹی کافی دیر تک وقار بھائی کے بارے میں سوچتی رہی ۔۔۔ !

پھر ایک دن حنا واپس آگئی....!

لیکن اس بار وہ اکیلی نہیں آئی تھی..... اس کی گود میں ایک چھوٹا سا ننھا منا ایک خوبصورت بچہ بھی مہک رہا تھا!

سب لوگ حیران رہ گئے......

گلشن بوا نے تو اپنے دانتوں میں انگلی داب لی تھی۔

حنا نے سب کی طرف دیکھے بغیر نہایت اطمینان اور لاپروائی کے ساتھ بچہ کو امی حضور کی گود میں ڈال دیا.....

"دیکھئے امی حضور! کتنا خوبصورت ہے منا ــــــ؟"

"لیکن یہ..... یہ ہے کون ــــــ؟"

"غور سے دیکھئے ــــــ؟" حنا پراسرار انداز میں مسکرائی تھی

.....؟ اس کے چہرے میں آپ کو کس کی شبیہ دکھائی دیتی ہے ــــ؟"

امی حضور نے بچے کو غور سے دیکھا، لیکن وہ اتنی گھبرائی ہوئی اور حواس باختہ تھیں کہ انہیں کچھ خاک بھی نظر نہیں آیا۔

"مجھے تو کسی کی جھلک دکھائی نہیں دیتی ــ"

"نہیں ــــ؟"

"ہوں نہہ ــــ؟"

"پھر پہچانیے......؟"

"اسے لڑکی صاف صاف بتا یہ کس کا بچہ ہے ــ" امی حضور اور زیادہ پریشان ہو گئی تھیں...... "کیوں دماغ کھا رہی ہے میرا ــــ"

"ہے کوئی جو اُسے پہچانے ــــ" حنا نے گھر کے سب لوگوں کی طرف دیکھا تھا......" اگر کسی نے بھی پہچان لیا تو سب کو جو مانگے گا وہی ملے گا۔"

دیبا باجی نے ڈرتے ڈرتے جھک کر امی حضور کی گود میں ہمکتے ہوئے منے کو دیکھا..... اور پہچان نہیں پائی..... اسکے بعد زیبا نے بچے کو دیکھا لیکن وہ بھی اس میں کوئی جھلک نہیں پا سکی، جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ کس کا بچہ ہے ــ؟

اس کے بعد ہما نے دیکھا اور وہ بھی مایوس ہو کر رہ گئی

..... اشرف بھائی نے بچّے کو دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے .....

"میں بتاؤں حنا ___؟"

"بتائیے ..... بتائیے ..... اگر بتا دیا تو شرط جیت جائیں گے ___!"

"لیکن کہیں میری بات بری نہ لگ جائے ___؟"

"ہرگز نہیں! صاف صاف بتائیے ___"

"مجھے تو اس میں ..... تمہاری ہی جھلک دکھائی پڑتی ہے ___" اشرف بھائی نے جھجکتے ہوئے جواب دیا۔

"میری ___!"

"ہاں .....!"

"تب پھر ٹھیک ہے ..... اسے میرا ہی بچّہ سمجھ لیجئے ..." حنا نے اطمینان سے جواب دے کر ایک ایک کے چہرے کی طرف فاتحانہ انداز میں دیکھا تھا ..... "ہے نا خوبصورت ___"

"حنا ___" امی حضور چیخ پڑی تھیں۔

"جی ___!"

"نامراد ___ بے شرم ..... اسے اپنا بچہ کہتے ہوئے لاج نہیں آتی ..... امی حضور نے بچّے کو ایک طرف ڈالتے ہوئے کہا ___ بتا کہاں سے لائی ہے یہ حرام کا بچّہ ___؟"

"امی حضور اپنے ہی خون کو گالی دے رہی ہیں آپ ___!"

حنا بڑی بے فکری سے بولی ــ " یہ ہمارے خاندان ......؟"

"کیا بک رہی ہے تو ــ" امی حضور اتنی زور سے دہاڑی تھیں کہ دیبا باجی، زیبا، ہما اور اشرف بھائی تک دہل کر رہ گئے تھے۔

بشیر میاں ڈیوڑھی میں کھڑے تھر تھر کانپ رہے تھے اور اور گلشن بوا کا یہ عالم تھا جیسے کاٹو تو لہو نہیں ــ؟

"میں سچ کہہ رہی ہوں امی حضور ــ" حنا کے اوپر کوئی اثر نہیں پڑا تھا ...." اس بچے میں ہمارا ہی خون دوڑ رہا ہے ــ"

"ارے سنتے ہو جی ....." امی حضور یہ سنتے ہی چیخیں مارتے ہوئے یوں روئی تھیں جیسے انہوں نے کسی کی موت کی خبر سن لی ہو ...." کہاں گئے ..... دیکھ لو .... میں نہ کہتی تھی کہ یہ لڑکی ہمارے خاندان کی ناک کٹائے گی ..... اب دیکھ لو آکر اپنی بیٹی کے کرتوت ..... خوب لچھن دکھائے ہیں اس نے ..... حرام کے بیٹے کو جن کر لائی ہے ہمارے پاس ....."

"کیا بات ہے .... یہ کیا شور مچ رہا ہے ــ" جہان بہادر اپنے کمرے سے آنکھیں ملتے ہوئے باہر نکل آئے۔

"خود ملاحظہ فرما لیجئے ...." امی حضور نے بچے کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کرتے ہوئے جواب دیا .... "یہ تحفہ لائی ہے تمہارے لئے تمہاری یہ لاڈلی ــ"

"کون تھا ــــ؟"

"جی ..... جی آپ کی بھتیجی بیٹی تھا ....."

"بہت پیارا بچہ ہے ..... کس کا ہے ــــ" خان بہادر نے بچے کو جھک کر دیکھا اور جھپٹ اپنی گود میں اُٹھا لیا۔

"اب بھی نہیں سمجھے ــــ امی حضور طنزیہ لہجے میں ہاتھ نچاتے ہوئے بولیں۔

"کیا ــــ؟"

"بہار پردہ پر یہ کیوں ہو رہی تھی ..... ارے مجھے تو اُسی وقت کھٹک گئی تھی جب یہ شہیں رکنے کے لئے بہانے پر بہانے بنائے جا رہی تھی ..... اور اب خود دیکھ لو ..... کیا گل کھلایا ہے اس نے ..... ایک حرام کے بچے کو جن کر لائی ہے"

"یہ حرام کا بچہ ــــ؟" خان بہادر حیران رہ گئے "یہ ..... یہ ......؟"

"جی ہاں .....!"

"لیکن ..... لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے ..... تھا اتنا بھی کر سکتی ہے، یہ تو کبھی ہم نے خواب بھی نہیں سوچا ــــ"

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے اور پڑھے لکھے کو فارسی ....."

"کیا مطلب ــــ؟"

"دو آنکھوں والے کو اندھا نہیں کہا کرتے ــــ"

امی حضور ہاتھ نچاتے ہوئے کہے جا رہی تھیں "ثبوت آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے اور آپ ابھی تک مطلب بھی نہیں سمجھے..... ارے آزادی دینے کا کیا نتیجہ ہونا ہے دیکھ لیا آپ نے......؟"

"لیکن مجھے..... مجھے یقین نہیں آتا......"

"ہاں.... ہاں اب کیوں یقین کرو گے..... جب ہماری اور ہمارے خاندان کی ناک کٹ گئی..... عزت و آبرو مٹی میں مل گئی..... کیوں یقین کرنے لگے اپنی لاڈلی پر...... ارے خان بہادر کچھ تھوڑی سی بھی شرافت ہے تو جاکر کسی کنویں میں چھلانگ لگا دیجئے...... اور اس آوارہ بدچلن لڑکی کا گلا گھونٹ دیجئے" امی حضور بلک بلک کر رونے لگی تھیں۔

دیبا باجی کے بھی آنسو نکل آئے اور گلشن بوا بھی آنسو بہانے لگیں... زیبا، ہما اور اشرف بھائی یوں سہمے ہوئے کھڑے تھے جیسے سانپ سونگھ گیا ہو!

بشیر میاں کی صورت دیکھنے کے قابل تھی.... وہ نہ روتے ہوئے معلوم ہوتے تھے اور نہ ہنستے ہوئے.... ہکا بکا کھڑے اپنی پلکیں جھپکائے جا رہے تھے۔

یکایک خان بہادر نے گھوم کر حنا کی طرف دیکھا چند لمحوں تک خاموشی سے اُسے گھورتے رہے، اس کے بعد

سپاٹ لہجے میں بولے۔

"حنّا ——!"

"جی ابا حضور ——"

"کیا یہ...... یہ...... یہ کس کا بچہ ہے ——؟"

"یہ آپکا ہی خون ہے ابا حضور ——!" حنّا کا سنجیدگی سے جواب تھا۔

"کک.... کیا ——؟"

"جی ابا حضور یہ آپ ہی کا خون ہے ——"

"اس سے پہلے کہ خان بہادر کوئی جواب دیتے اس سے پہلے کہ امی حضور اپنی چھاتی پیٹتیں اور اس سے پہلے کہ کوئی کچھ بولتا —— ایک پاٹ دار گرجتی ہوئی غصیلی آواز نے سب کو چونکا دیا۔

"حنّا! تمہاری یہ ہمت! بدذات ——"

سب لوگوں نے گھوم کر آواز کی طرف دیکھا —— وقار بھائی اپنے ہاتھ میں بندوق تھامے حنّا کا نشانہ باندھے کھڑے تھے ——؟!!

ماحول پر ایک کربناک سناٹا چھا گیا۔؟
ہر ایک کا دل خوف سے دھڑک رہا تھا دیبا باجی کے پیروں میں لرزش آ گئی تھی.... زیبا اور ہما کا چہرہ فق ہو گیا تھا.....
اشرف بھائی گم سم کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے اُن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حالات اتنی جلدی اتنے خراب ہو جائیں گے۔!

امی حضور اور خان بہادر بھی کچھ گھبرا سے گئے تھے۔
گلشن بوا اور بشیر میاں خوف سے تھر تھرا رہے تھے اور ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں..... ایسا لگتا تھا جیسے انہیں تو موت کی سزا کا حکم سنا دیا گیا۔؟

وقار بندوق کا نشانہ لئے کھڑا تھا۔۔۔ لیکن حنا کے چہرے پر کوئی گھبراہٹ اور کوئی خوف طاری نہیں تھا۔۔۔ نہ اس کے چہرے سے کسی قسم کے جذبات کا پتہ چلتا تھا۔۔۔ وہ اپنا سپاٹ چہرہ لئے ایک پتھر کے مجسمے کی مانند ان لوگوں کے درمیان بے حس و حرکت کھڑی ہوئی تھی۔۔۔ نڈر اور بے خوف!!

وقار کا غصے کی وجہ سے برا حال تھا۔۔۔ اس کا خون کھول اٹھا تھا جب اس کے کانوں میں حنا کا یہ جملہ پڑا تھا کہ یہ آپ کا ہی خون ہے۔۔۔ وہ پاگل ہو گیا تھا یہ سن کر۔۔۔ انگارے سے دہک اٹھے تھے اس کے دماغ میں۔۔۔ اور وہ اتنا بے قابو ہوا کہ اپنی بندوق لے کر حنا کو گولی مارنے کے لئے گھر سے باہر نکل آیا۔

حنا۔۔۔ اس کی بہن نے اس کے منہ پر کالک پوت دی تھی۔۔۔ ایک گندی اور غلیظ گالی بن گئی تھی اس کے لئے۔۔۔ اس کے خاندان اور شرافت کے لئے۔۔۔ کلنک بن گئی تھی کہ جس خاندان کے لوگ شرافت کی قسمیں کھایا کرتے تھے۔

اپنی اسی انا۔۔۔ خاندان کی نیک نامی۔۔۔ عزت و شرافت کے لئے اس نے اپنی جان سے عزیز محبوبہ۔۔۔ اپنی شریک حیات شبانہ کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا تھا۔۔۔ ٹھکرا آیا تھا اور پلٹ کر دیکھا بھی نہیں تھا۔۔۔ کیونکہ وہ بھی اس کے لئے

گندی گالی بن گئی تھی۔ اُس کی زندگی میں ایک بدنما دھبّہ بن گئی تھی ——؟

اور اب بہن نے اُس کی عزت و شرافت کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا تھا...... وہ منحوس بہن حنا جو ایک ناجائز بچّے کی ماں بن گئی تھی ——؟

وقار کیا کیا کر رہ گیا...... جیسے اُسے کوئی کُند چھُری سے کاٹنے کی کوشش کر رہا تھا...... اُس نے دہاڑتے ہوئے پکارا —"حنا......!"

"جی وقار بھائی! ——"

"یہ تو نے کیا کیا کمینی...... خاندان کی عزت مٹّی میں ملا دی ہمیں کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رکھا...... ہم تجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے ——"

"تو پھر کر دیجئے شوٹ ——" حنا بے حد بے خوفی کے ساتھ سینہ تان کر اُن کے سامنے کھڑی ہو گئی......" مار دیجئے گولی مجھے ...... آپ کے سامنے کھڑی ہوں ——"

"زبان چلاتی ہے نالائق ——" وقار نے بندوق کی لبلبی پر انگلی رکھ کر کہا......" ہم گولی چلانا جانتے ہیں حنا! ایسی بدچلن اور آوارہ لڑکیوں کا ہماری اس حویلی اور ہمارے خاندان میں کیا کام...... جو...... ہماری شرافت کا بھرے بازار میں نیلام کرتی

بھرے سے۔"

"شرافت ؟" حنا نے نہایت حقارت سے دہرایا تھا...... کیا آپ اسی کو شرافت کہتے ہیں کہ کسی معصوم اور پاکباز لڑکی سے خفیہ شادی کریں اور خوب رنگ رلیاں منائیں اور اس کے بعد حقیقت جانے بغیر اپنی شریک حیات...... اپنی بیوی کو تنہا بازار میں اس لئے چھوڑ آئیں کہ وہ بیوی کبھی ماضی میں اپنی ماں اور چھوٹے بہن بھائیوں کا پیٹ بھرنے کے لئے اسٹیج پر رقص کا مظاہرہ کیا کرتی تھی — بھرے بازار میں شرافت کا نیلام آپ نے کیا ہے وقار بھائی —؟"

"حنا — ؟" وقار لڑکھڑا کر رہ گیا تھا۔

"جی ہاں...... اس شرافت اور نیک نامی کی کہانی آپ کو سننا ہی پڑے گی...... اس حقیقت کو آپ جھٹلا نہیں سکتے —" حنا نے انگلی اُٹھا کر اُن سے تیز اور تیکھے لہجے میں کہا تھا — "آپ نے گناہ کیا ہے میں نے نہیں — آپ نے خاندان اور شرافت کے دامن پر داغ لگایا ہے میں نے نہیں —"

"حنا — حنا — ؟" وقار کے منہ سے صرف اتنا ہی نکل سکا تھا۔

"آپ نے یہ جانے بغیر کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے اُس پاکیزہ لڑکی کو جس سے آپ نے بڑے چاؤ سے بیاہ رچایا تھا

محض اس لئے ٹھکرا دیا کہ وہ معصوم لڑکی کبھی اپنے گھر کا خرچ چلانے کے لئے اسٹیج پر رقص کا مظاہرہ کیا کرتی تھی ..... اُس نے اپنا ماضی کھلی کتاب کی مانند کھول کر آپ کے سامنے رکھنے کی کوشش کی ..... لیکن آپ اُس کی محبت کے نشے میں اتنے سرشار تھے کہ ہر بار آپ نے اُسے ماضی کی کتاب کھولنے سے روک دیا۔ منع کر دیا.. ..... اور جب اچانک وہ کتاب آپ کے سامنے آئی تو آپ اُسے برداشت نہ کر سکے اور اُسے اُس کا قصور بتائے بغیر منہ چھپا کر بھاگ آئے ..... محض اپنی جھوٹی شان و شوکت ..... جھوٹے خاندانی وقار اور مرتبہ کی خاطر آپ نے اپنی شریک زندگی سے قطع تعلق کر لیا ..... کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ آپ کی بیوی اسٹیج کی رقاصہ رہ چکی ہے ......"

سارے لوگ حیران و ششدر کھڑے کے کھڑے رہ گئے تھے ..... اور حنا سے ایک انوکھی کہانی سُن رہے تھے۔

وقار کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا ایک رنگ جا رہا تھا۔

"آپ ایک بے گناہ لڑکی پر مصیبت کا پہاڑ توڑنے کیلئے خطاکار ہیں۔ ایک پاکیزہ معصوم لڑکی کی زندگی برباد کرنے کا قصور کیا ہے آپ نے ..... آپنے کبھی یہ جاننے کی زحمت گوارہ نہیں کی کہ اُسے تن تنہا، بے یار و مددگار چھوڑ کے آنے کے بعد اس پر کیا بیتی اور کیا گذری ..... لوٹ کر خبر بھی نہیں لی آپ نے ..... کیا یہی تھی آپ کی شرافت .....

کیا یہی کہنا تھا آپ کا خاندان کہ کسی لڑکی سے جب تک جی چاہا کھیلا اور جب جی بھر گیا تو اُسے چھوڑ دیا ـــ وقار بھائی آئیے میں آپ کو بتاتی ہوں کہ اُس کے بعد اُس معصوم لڑکی پر کیا گذری جب آپ اُسے چھوڑ کر بھاگ آئے تھے ... جھوٹی شان و شوکت، جھوٹی عزت کی قربان گاہ کی بھینٹ پڑھا آئے تھے ـــ"

"شمتا ـــ!" وقار نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس لی تھی۔

"ہاں وقار بھائی! یہ کہانی آپ کو سُننا ہی پڑے گی ...." شمتا بے حد جذباتی ہو گئی تھی .... "تاکہ سب لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ آپ نے اس معصوم لڑکی پر شرافت کے نام پر کتنا بڑا ظلم کیا ہے .... جب آپ اُسے چھوڑ کر چلے آئے تو وہ روتی دھوتی اس فلیٹ میں آ گئی .... جو آپ نے شادی کے بعد رہنے کیلئے کرایہ پر لیا تھا .... اُسے اُمید تھی کہ آپ غصّے میں چلے گئے ہیں، لیکن جب آپکا غصّہ ٹھنڈا ہو جائے گا تو آپ واپس آ جائیں گے .... وہ روز آپکا بے چینی سے انتظار کرتی رہی .... دن پر دن گذرتے رہے اور وہ امید اور آس لگائے بیٹھی رہی کہ آپ ضرور اس کے پاس واپس آئیں گے .... لیکن آپ اتنے سنگدل تھے وقار بھائی کہ واپس نہیں گئے .... یہاں تک کہ فلیٹ کا کرایہ ادا نہ کرنے کی صورت میں اُسے مالک مکان نے گھر سے باہر نکال دیا .... وہ ایسی حالت میں کہ آپ کا بچہ اُس کے پیٹ میں تھا .... اپنے میکے اپنی ماں کے پاس واپس نہیں گئی ... کیا صورت لے کر جاتی وہ اپنی ماں کے پاس .... وہ گئی تو صرف آنوشی کے گھر کے لئے کا ٹھکانہ کیا گئی ...

.....جہاں موت اُس کی ہر مشکل، ہر مصیبت کا خاتمہ کرنے کے لئے تیار کھڑی تھی اور......"

"حنا—" وقار زور سے چیخ پڑا..."بس کرو... بس کرو حنا... اب اس سے زیادہ سننے کی تاب نہیں ہے مجھ میں... ہم برداشت نہیں کر سکتے......"

لیکن حنا نے اُنکی بات سُنے بغیر اپنی بات برابر جاری رکھی "وہ خودکشی کرنے ریلوے لائن پر گئی..... وہ اپنے ساتھ ساتھ آنے والے بچے کو بھی پیدا ہونے سے پہلے ہی موت کے گھاٹ اُتار دینا چاہتی تھی..... ٹرین سامنے سے آرہی تھی.... قریب—قریب آتی گئی وہ اُس کی طرف..... اور پھر اس سے پہلے کہ ٹرین اُسے کچلتی، کاٹتی اور ٹکڑے اُڑاتی اُس کے اُوپر سے گذر جاتی کہ یکایک ڈاکٹر طارق نے اُسے بچا لیا— جی ہاں ڈاکٹر طارق نے— وہ اُس وقت اتفاق سے ایک مریض کا معائنہ کر کے آرہے تھے تب انہوں نے ایک لڑکی کو خودکشی کے ارادے کی حالت میں دیکھا تو اُسے جلدی سے موت کے منہ سے کھینچ لیا..... بے ہوش لڑکی کو وہ اپنے کلینک میں لے آئے اور علاج کرنے لگے..... اور تب وہیں اُسی کلینک میں میری اُس لڑکی سے ملاقات ہوئی..... رفتہ رفتہ وہ میری گہری سہیلی بن گئی اور تب اُس نے اپنی زندگی کی دردناک کہانی سُنائی..... اس کہانی کے سُننے کے بعد مجھے پتہ چلا کہ یہ آپ ہیں وقار بھائی جس نے اُسے اس حال میں پہنچایا تھا..... اُسے

زندہ درگور کر دیا تھا..... اور تب میں نے ڈاکٹر طارق کے ساتھ مل کر
ایک پلان بنایا..... اور اسی پلان کے تحت ہم اس لڑکی کو لے کر
پہاڑ پر گئے..... جہاں اس ننھے منے..... معصوم بچے نے جنم لیا۔
ہاں وقار بھائی..... اور آپ سب لوگ کان کھول کر سن لیں.....
یہ بچہ میرا نہیں..... وقار بھائی کا ہے۔"
"کیا..... میرا بچہ" وقار کے ہاتھوں سے بندوق چھوٹ پڑی۔
"وقار کا بچہ..... یعنی ہمارا پوتا" امی حضور بڑبڑائی تھیں۔
"جی ہاں" حنا نہایت اطمینان سے مسکرائی..... "جب ہی
تو میں نے بنا نگ دہل کہا تھا کہ اس میں ہمارے خاندان کا خون
ہے۔ کیوں ابا حضور کیا یہ آپ کا خون نہیں ہے؟"
"میری بچی!..... بے شک یہ ہمارا خون ہے..... ہم نے تجھے
غلط سمجھا تھا..... میں ڈر گیا تھا کہ یہ کیا ہو گیا....." خان بہادر
کہہ رہے تھے..... "مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ میں تجھ پر اتنا فخر
کرتا تھا، اتنا اعتماد کرتا تھا اس اعتماد کی تو اس طرح دھجیاں
اڑا دے گی۔ لیکن خدا کا شکر ہے کہ تو نے میرے اعتماد کی
لاج رکھ لی۔ دیکھ لیا بیگم تم نے.....؟" وہ پلٹ کر اپنی بیوی
سے بولے تھے۔
"ہاں دیکھ لیا..... لیکن یہ پہلے منہ سے کیوں نہیں پھوٹی تھی؟"
وقار نے گردن جھکائے جھکائے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"حنا! میری بہنو! کیا تو اپنے اس گنہگار بھائی کو معاف نہیں

کرے گی ــــ؟"

"یہ کیا وقار بھائی معافی مجھ سے نہیں..... بلکہ شبانہ بھابی سے مانگئے.... جو باہر گاڑی میں ڈاکٹر طارق کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہیں۔"

"لیکن ہم..... ہم کیا منہ لیکر اُنکے پاس جائیں ــ"

"آپ لوگ ہمارے ساتھ چلیئے اور اُس کا استقبال اُسی طرح کیجئے جیسا اس حویلی کی بہو کے ساتھ کیا جاتا ــ چلئے۔ چلیئے...؟"

گھر کے سارے لوگ ڈیوڑھی کی طرف بڑھے.....

ڈیوڑھی کے باہر ڈاکٹر طارق شبانہ کے ساتھ کھڑا ہوا تھا!

"بہو بیگم ــ" امی حضور نے آگے بڑھ کر شبانہ کو گلے سے لگا لیا.... خان بہادر بچے کو گود میں لئے آگے بڑھے۔

تسلیم ــ" شبانہ نے اُنکے سامنے قدرے جھک کر کہا۔

"جیتی رہو.... جیتی رہو ــ" خان بہادر نے شبانہ کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ڈاکٹر طارق کی طرف گھوم کر بولے۔

"بیٹے اگر تم نہ ہوتے تو آج ہمارا پوتا اور بہو ہمیں نہ ملتے.... تم انسان نہیں فرشتے ہو بیٹے ــــ!"

"اور اسی فرشتے کو حنا نے بالکل ٹھیک پایا ہے ـــ؟" اشرف بھائی آگے بڑھتے ہوئے مسکرا کر بولے "حنا میں تمہاری پسند اور نگاہ کی داد دیتا ہوں.... خوب ہیرا ڈھونڈا ہے تم نے اپنے لئے ــ"

حنا نے شرما کر سر جھکا لیا.... پھر کہنے لگی.... "اشرف بھائی آپ

بھی تو پھیرا ہیں .... ہمارے گھر والوں نے ابھی آپ کو پرکھا نہیں
.... اگر پرکھا ہوتا تو آج تک دیبا باجی آپ کا گھر بسا چکی ہوتیں "
ایک بار پھر لوگ چونک پڑے تھے ....
اشرف بھائی کا چہرہ ایکدم سرخ ہو گیا تھا .... ان کی گردن فوراً ہی جھک گئی۔

خان بہادر نے فخریہ انداز میں کہا ــــ " حنا! بیٹی آج تم نے ہماری آنکھیں کھول دیں .... ہم کتنے بے وقوف اور عقل کے اندھے بنے ہوئے تھے .... یہ بات ہماری سمجھ میں ہی نہیں آئی تھی کہ لڑکا تو گھر میں موجود ہے .... اور ہم آج تک باہر کے رشتے کی آس لگائے رہے .... لیکن کیا دیبا راضی ہو جائے گی ....
وہ ایک بار انکار کر چکی ہے ــــ ؟ "

" لیکن اس بار وہ انکار نہیں کریں گی ــــ " حنا نے دیبا باجی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جن کے چہرے پر ہوائیاں سی اُڑنے لگی تھیں .... " اشرف بھائی کو انہوں نے بہت قریب سے دیکھا ہے، ان کی عادتوں سے واقف ہیں، اُنکی پسند اور ناپسند بھی جانتی ہیں .... انہیں معلوم ہے کہ اشرف بھائی سے اچھا رشتہ پھر کبھی نہیں مل سکتا ــــ تمام عمر بغیر شادی کے گذارنا .... نہیں دیبا باجی کو اپنا فیصلہ بدلنا ہی پڑے گا .... کیونکہ وہ شادی نہیں کریں گی تو کیا حویلی اندر خاندان کی بدنامی نہیں ہوگی ــــ مجھے یقین ہے دیبا باجی میرا کہا مان لیں گی ــــ "

دیبا باجی کا سر جھک رہا تھا..... وہ خاموش رہی تھیں..... خاموشی نیم رضامندی کے مترادف تھی۔

"حنا — حنا — تم تو بیٹی آج کمال کر رہی ہو —" امی حضور اُسے اپنے گلے سے لگاتے ہوئے بولیں..." میں نے تمہیں ہمیشہ غلط سمجھا..... مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ میری عقل پر پتھر پڑے ہوئے تھے ..... تم نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں.... ہمارے خاندان کو تباہ ہونے سے بچا لیا ہے.... دیبا اور ہما کی شادی میں ایک ساتھ کروں گی —"

"اور حنا کی — ؟" خان بہادر مسکرا کر بولے تھے۔

"اس کی شادی کے بارے میں مجھے کچھ نہیں سوچنا..... ڈاکٹر طارق کو اُس نے خود پسند کر لیا ہے.... جب اپنی تعلیم پوری کر لے گی..... میں دونوں کی شادی کر دوں گی — اب میرے سر پہ کوئی بوجھ نہیں ہے.... اب آپ بھی پیر پھیلا کر آرام سے سوئیے..... ہمارے سارے مسائل حل ہو چکے ہیں — لڑکیاں اُٹھ گئیں..... چاند جیسی بہو اور گود میں ہمکتا ہوا پوتا مل گیا..... اور ہمیں کیا چاہیئے..... ہم جیسا کون خوش نصیب ہوگا —"

"آج تو تم بہت چہک رہی ہو بیگم —" خان بہادر نے چھیڑتے ہوئے کہا..... ایسا لگتا ہے کوئی خزانہ مل گیا ہے تمہیں — ؟"

"اولاد خزانہ سے کم نہیں ہوتی اگر وہ نیک اور سعادت مند ہو...... چلو.... چلو.... اب اندر چلیں یہاں دروازے پر کیوں کھڑے ہیں ہم لوگ —"

سب اندر داخل ہوئے لیکن ڈاکٹر طارق ڈیوڑھی میں ہی رُک گیا۔

"ارے آؤ بھئی..... اب کون تم سے پردہ کرے گا یار —" وقار بھائی نے اُس کا ہاتھ تھام کر اندر گھسیٹتے ہوئے کہا۔ "اب تم ہمارے ہی خاندان کے ایک فرد کی مانند ہو —"

حنا نے یہ جملہ سُنا تو شرما کر بھاگ زیبا اور دیبا باجی کی طرف بھاگ گئی جو شائستہ بھابی کو سنبھالے ہوئے چلی رہی تھیں۔

اس وقت سبھی خوش تھے..... لیکن ایک زیبا ہی ایسی تھی جو اُداس اور بجھی بجھی سی تھی..... اُس نے اپنی محبت کی قربانی دی تھی..... اپنی محبت کا گلا گھونٹ دیا تھا — صرف خاندان کی عزت اور شان و شوکت کی خاطر خاموشی سے پرائے اور اجنبی مرد سے بیاہ کر لیا تھا — وہ جانتی تھی کہ جو داغ اُس کے سینے پر لگا تھا اب وہ تمام زندگی یادوں کی سوزش بن اُس کے دل کو جلاتا رہے گا — اُسے جھلساتا رہے گا — !

"چھوٹی بیٹا — چھوٹی بیٹا —" بشیر میاں جلدی سے حنا

کی طرف بڑھے تھے۔

"کیا بات ہے بشیر میاں ۔۔۔؟"

"کچھ ہمارا بھی فیصلہ کرائی جائیے بٹیا" بشیر میاں نے گلشن بوا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔۔۔"ہمارا بھی بڑھاپے میں اگر گھر بس جائے تو کیا۔۔۔۔؟"

"تمہارے اوپر خدا کی مار ۔۔۔" گلشن بوا غصّے سے چیخی تھیں ۔۔۔" بشیر میاں قبر میں پیر لٹکائے بیٹھے ہو اور چونچلے دیکھو۔۔؟"

سب لوگوں نے ایک زبردست قہقہہ لگایا۔!

ختم شد